ترجمہ عقائد شیخ صدوق علیہ الرحمہ

جناب فخر الحاج مولانا مولوی الشیخ اعجاز حسن صاحب بدایونی پروفیسر دینیات شیعہ کالج لکھنؤ نے عقائد اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کا نہایت سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے تمام مدارس عربی اردو انگریزی میں اس کا عام رواج ہونا چاہئے ایک کالم میں اردو اور ایک میں عربی قیمت صرف ۸ر

حدیث کسا منظوم بطرز مرثیہ

مولوی سید زوار حسین صاحب المتخلص بہ زوار مرزاپوری نے حدیث کسا کو تمام و کمال نظم کر دیا ہے اور مصائب اسیری اہل بیت کا جوڑ لگا کر اس مسدس کو ختم کیا ہے دیکھنے اور پڑھنے کے قابل قیمت صرف ۴ر

صحیفہ نور

حضرت قاضی سید نور اللہ شستری علیہ الرحمہ الملقب بہ شہید ثالث کی مکمل و مشرح سوانحعمری ہے قیمت صرف ۸ر

اوراد القرآن

وسعت رزق۔ ابطال سحر قضایائے حاجات شرعی کے متعلق قرآن شریف کی آیات کے ذریعہ سے تیر بہدف طریقہ اعمال مصنفہ مولوی السید محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم قیمت صرف ۸؍ر

قضایائے امیر المومنین

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب ؑ کے وہ مشہور و معروف فیصلہ جات درج ہیں جو آپ نے عہد خلافت ثلثہ میں صادر فرمائے قیمت صرف ۶ر

خلافت اول

صواعق محرقہ باب خلافت ابی بکر پر ایک مورخانہ نظر ڈالی گئی ہے کتب مناظرہ میں ایک قیمتی اور سنہری اضافہ ہے قیمت ۱۲ر

وقائع خلافت حضرت علی ؑ

تاریخ ابی الحسن ذہبی سنی المذہب جو زبان عربی میں تھی یہ اسکا اردو ترجمہ ہے قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ سید شمشاد علی و سید امداد علی تاجران کتب چوک سبز منڈی لکھنو

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ

الحمد للہ کہ دریں زمان امن و امان کتاب مستطاب المسمیٰ بہ

سنہ ۱۳۴۲ھ

ہمارے مرتضےٰ کی شان

سنہ ۱۹۲۴ء

مصنفہ عالیجناب مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب مترجم نہج البلاغہ

در مطبع اثنا عشری دہلی بزیور الطباع مزین شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیر است کہ افسانۂ منصور کہن شد — من بار دگر جلوہ دہم دار و رسن را

میں نے کسی مضمون میں وعدہ کیا تھا کہ مذہب کے متعلق ایک بسوط تبصرہ لکھونگا لیکن ایفائے وعدہ کے لیئے میں خود پریشان ہوں اگر متلاطم سمندر کی موجوں کا احتساب میری قوت مدرکہ کے لیے آسان ہو جائے۔ آہ! حیف کہ ہو نہیں سکتا۔ تو پھر میں موعودہ خدمت کے لیئے تیار ہو سکونگا ہاں مجھے ہرگز اسکا وعدہ ہی نہ کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن ع دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را۔ دیکھتا ہوں کہ حقائق مذہب پر حجاب ڈالے جا رہے ہیں۔ دیکھ رہا ہوں کہ بازار علم میں بازرگانان استبداد انداز خودنمائی کو سویدائے چشم بنا رہے ہیں۔ محسوس کر رہا ہوں اور اسی طرح محسوس کر رہا ہوں جس طرح روز روشن میں آفتاب کو۔ کہ جہل علم نما و سادہ غرور پر متمکن ہے۔ آہ! معلوم ہو رہا ہے کہ نظریات و عملیات دونوں کے دونوں غارت اور بالکل غارت ہو چکے ہے

جنس دیں را چہ کساد آمدہ عرفی در پیش — کہ بجز مردہ ز حافظ نہ خرد قرآں را

آج صلوٰۃ اجارہ کے مسائل کی تبلیغ پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ آج مسائل شست و شو کے دفاتر اسفار ملا صدرا سے ہزاروں گنا حجم رکھتے ہیں۔ لیکن آج ہاں آج اگر پوچھو کہ کسی حامل تودۂ اسناد و القاب نے کسی تشنہ روح کو چشمۂ معارف سے سیراب کیا؟ اسکا جواب صفر محض کی شکل میں تو البتہ مل سکتا ہے۔ ہندوستان ہو یا عراق۔ اس ابتلائے عمومی کے سب شکار۔ عراق!

آہ! عراق! میں نے کس مقدس سرزمین کا نام لیا ع دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

یہ تو ایک وجدانی حالت تھی لیکن نظر تجسس جب اُٹھتی ہے تو فوراً کہنا پڑتا ہے ع اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

سائلے می پرسد "مولانا ایں وحدت نورانیہ محمدؐ و علیؑ کہ در احادیث آمدہ معنیش چیست؟ مولانا می فرمایند کہ تو واجبات و مستحبات وضو را می دانی؟ عرض کرد بلے بقدر ضرورت۔ ارشاد می شود مرد خدا تو کہ بر مسائل وضو احاطہ نداری ازیں چیزہائے فضول پرسیدن ترا می سزد؟ برو فضولی مکن۔

اب کس کی مجال ہے کہ مولانا کی خدمت میں عرض کرے کہ جناب عالی خیر سے خود ہی اس کوچے سے نابلد ہیں۔ جب معدن علمیہ کا یہ حال ہو تو وائے برحال ہند جو ہیں کے ریزوں کا چننے والا اور انہی کو کلاہ علمیہ میں نصب کرکے طوفان مسرت میں غرقاب ہے۔

میں اس وقت اور مسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مسئلۂ امامت کو لیتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ حکمت شیعہ کا یہ مایۂ ناز گوہر آیا اپنی حقیقی آب پر باقی ہے یا خاکستان بے اعتنائی کے غبار سے اسکی رونق اور لمعانیت مٹ چکی۔ آہ! افسوس کہ مٹ چکی۔

جب ہم غور کرتے ہیں تو اس مسئلہ کی تباہی کی بنیاد تو اُسی تاریخ سے پڑی جب سے دنیا میں یہ غلط خیال پھیلایا یوں کہو کہ پھیلایا گیا کہ ولایت مطلقہ یا خلافت الٰہیہ یا امامت کلیہ کوئی منصوص شے نہیں۔ اور نہ اس کے لئے کسی نص الٰہی کی ضرورت۔ چند احباب زمانہ شناس کا جلسہ اس مسئلہ کو آسانی کے ساتھ اسی طرح طے کرسکتا ہے جیسے قومی درسگاہ کی خانہ ساز کمیٹی وار فنڈ میں روپیہ دینے کو۔ غرض اس کمیٹی بازی کی ابتدائی "تاریخ مسئلۂ انہدام کی" پہلی بنیاد ہے۔ پھر اس بنیاد کو مستحکم کرنیکے لئے مختلف طریقے وضع کئے گئے۔ مثلاً کلمات موضوعہ کی اشاعت۔ مبلغین کا تقرر وغیرہ وغیرہ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ وہ زمانہ باوجودیکہ انتہائی شور و شغب کا زمانہ تھا لیکن ارباب حقائق آگاہ موجود تھے۔ گو انکی تعداد بہت قلیل تھی۔ مگر وہ اس قلت کو اپنے خون کے نقش و نگار سے اتنا دلفریب بناتے تھے کہ قیامت تک دنیا کے قلوب انکی طرف جذب ہوتے رہیں گے۔

یہ جماعت فی الحقیقۃ فقہا اور اہل دانش کی جماعت تھی اور یہ لقب انکو معصوم کی زبان سے ملتا تھا چنانچہ وہ مشہور خط جو حجت خدا برزخ کبریٰ ۔ مخدوم ملائکہ منزل وحی و مورد الہام حامل روح اعظم خامس آل عبا روحی وارواح العالمین لہ الفدا کی طرف سے حبیب ابن مظاہر کے نام جاتا ہے اُسکا عنوان یہی تو ہے "من ابی عبد اللہ الحسین الی الرّجل الفقیہ حبیب بن مظاہر"۔ ذرا خیال تو کرو اس فقیہ زمانہ نے روز عاشورا کس شان سے حقیقت فقہ کو آشکارا کیا۔

بہر طور ایسے لوگ موجود تھے۔ ان کے کچھ واقعات اب ہمارے سامنے موجود ہیں لیکن کوئی ایسا ذریعہ بظاہر ہمارے پاس نہیں ہے جس سے ہم انکے حقائق علمیہ پر کافی اطلاع حاصل کرسکیں۔ البتہ ان کے واقعات سے یہ نتیجہ قطعی نکالا جا سکتا ہے کہ وہ آشنائے حقیقت و حقانیت تھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُن کی روحانیت بلند روحانیت تھی۔ اسی روحانیت کا اثر تھا کہ خامس آل عبا نے ایسے بزرگوں کو "یا کرام" کے خطاب سے مخاطب کیا۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ ابتدائی زمانۂ اسلام میں تدوین علوم کا سلسلہ نہ تھا مگر آگے چل کر اسکی بنیاد پڑی۔ اس وقت جو جماعت سربرآرائے حکومت تھی اُس کے خیالات وہی پنچایتی خیالات تھے۔ اور اُنہی خیالات کی بدولت حکام وقت کو حکومت کی مسندوں پر قدم رکھنا نصیب ہوا تھا۔ پھر وہ کیونکر انکی مخالفت کرسکتے تھے۔ لہٰذا تدوین علوم کے وقت وہ تمام وضعی ذخائر اسفار و کتب کے لباس میں آنے لگے جن پر حکومتوں کی جانب سے بے انتہا روپیہ خرچ ہوا تھا۔

اس زمانے میں یہ تو ناممکن تھا کہ امامیہ گروہ اپنے عقائد کی باضابطہ تدوین کرسکے لیکن اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت حجت ناطق امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ کے زمانے میں کچھ اصول مدوّن ہوچکے تھے جن کی تعداد تین سو تیرہ تک بیان کیجاتی ہے لیکن آج اُن میں سے سوائے چند کے باقی سب دستبرد زمانہ کا شکار ہوچکے۔ موجودہ اصول جو بیان کیئے جاتے ہیں اُن سے فقہ رسمی کے مسائل کا استنباط ایک حد تک ہوسکتا ہے۔ لیکن معارف توحید و نبوت و امامت وغیرہ پر ان سے کچھ روشنی نہیں پڑتی۔

اس میں شک نہیں کہ آج ہمارے ہاتھ میں خطبات۔ احادیث۔ ادعیہ ایسی موجود ہیں جن سے

حقائق مذہب روز روشن کی طرح آشکار ہوجاتے ہیں اور وہ ہمارے لیئے کافی ہیں بشرطیکہ عقول فطریہ کا سلب کرنیوالا نسخہ (اندھی تقلید۔ جو اصول میں حرام ہے) استعمال نہ کیا جائے۔

تقلید اور اُس کی حقیقت ۔ چونکہ آجکل تفسیر القول بما لا یرضیٰ قائلہ کا مرض خاص طور پہ دامنگیر ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ کچھ مقلدین حضرات چیں بجبیں ہوں مگر اُن کو واضح رہنا چاہیئے کہ لکھنے والا حقیقت تقلید کو ان سے بہتر جانتا ہے اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند لفظ اس مسئلہ کی نسبت اسی وقت لکھدیئے جائیں۔

تجدید اجتہاد و تقلید فی الحقیقۃ ایک فطری ضرورت ہے۔ یہ ایک حکمت کا دروازہ ہے جو صرف مذہب شیعہ میں کھولا گیا ہے۔ باقی فرق اسلام اس سے محروم ہیں۔ اور انکے زمانہ شناس اہل علم اس حرمان پر سینہ کوبی میں محو ہیں۔ ایک مصری فاضل اپنی تاریخ "اشہر مشاہیر الاسلام" میں مسئلہ سد باب اجتہاد پر کافی نوحہ خوانی کر رہا ہے۔

لیکن یہ بھی تو سمجھ لو کہ آخر اس تجدید کی ضرورت کیا ہے۔ کیا صرف اسی لئے کہ وضو میں ایک بار مُنہ پر پانی ڈالا جائے یا دو مرتبہ واۓ برحال علم! اگر آج تک تیرہ سو برس کے زمانے میں افعال وضو بھی محقق نہ ہو سکے نہیں نہیں حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ علم کی شان ایسے وساوس سے بلند ہونی چاہیئے۔ یہ چند بیکار دماغوں کی علمی عیاشیاں ہوتی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ انہی عیاشیوں میں ایک جماعت کثیر مبتلا ہے جن کا بہت بڑا مقصد جماعت بندی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اوضاع زمانہ متغیر ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہیں گے۔ مجتہد چونکہ معصوم مطلق نہیں ہے لہذا بعض مسائل مخصوصی میں (جن کی توضیح کی ضرورت نہیں) اس استنباط اوضاع حالیہ کا اثر لئے ہوئے ہوگا (جیساکہ سرکار میرزائے مرحوم کا مشہور فتوائے متعلق حرمت تنباکو) جو حالات آج سے ایک صدی کے بعد ظاہر ہونیوالے ہیں ان کی بنا پر کوئی مجتہد آج حکم جاری نہیں کر سکتا۔ یہ صرف معصوم کا کام ہے۔ کیونکہ خدا نے اُسے اپنے غیب کا امین قرار دیا ہے (ملاحظہ ہوں احادیث مصحف فاطمہ سلام اللہ علیہا و جفر ابیض و جفر احمر وغیرہ) لیکن معصوم بھی باعتبار عقول اشخاص موجودین اس وقت سکوت سے کام لیگا۔

غرض ایک تو وجہ مذکورہ کی بنا پر تجدید اجتہاد کی ضرورت ہے۔ دوسرے عناوین حفاظت مذہب

ہر زمانے میں مختلف ہو گئے۔ انکا مقرر کرنا۔ سوچنا۔ ہر زمانے کے مذاق کے مطابق علم کلام کا ذخیرہ فراہم کرنا (جو سب کا سب احادیث و قرآن میں موجود ہے) یہ خاص کام ہونگے عالم وقت کے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن میں سے مسائل فقہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن موجودہ دستور العمل اس کے برخلاف ہے۔ اس طرح جب تجدید اجتہاد ہر زمانے میں ضروری ہے تو تقلید کی تجدید بھی لازمی ہے۔ اس لیئے کہ کوئی زمانہ ہم ایسا فرض نہیں کر سکتے جس میں مقلّدین کی تعداد موجود نہ رہے۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کسی زمانے کا ہر شخص عالم علوم دینیہ ہو سکتا ہے تو پھر بھی دوران اکتساب علم میں تو اُس کو دریافت کرنے کی ضرورت ہوگی۔

یہ ہے مختصر حقیقتِ تقلید جس کا فروعی مسائل سے تعلق ہے۔ لیکن اشتیاق حکومت کی بلند پروازی نے ہر جگہ اسے دخل دیدیا۔

افسوس! میں اپنے مقصد سے کسی قدر دور ہٹ گیا۔ لیکن ان چند حقائق واقعیہ کے اظہار کی ضرورت تھی۔

آمدم بر سر مطلب۔ میں ابتدا میں کہہ چکا ہوں کہ شیعوں کے پاس تدوین علوم کا کوئی باقاعدہ سلسلہ نہ تھا۔ اس کے برخلاف دوسرے گروہ میں اس سلسلے کی کڑیاں نہایت مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو کر ایک عالم میں پھیل رہی تھیں۔ درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا اور جوق جوق مسلمان اطراف ممالک سے آکر مقامات مختصہ میں پہنچتے تھے اور اس طرح ان خیالات کی عالمگیر اشاعت فضائے عالم کو لبریز کر رہی تھی۔ گویا یوں سمجھو کہ سواد اعظم کا مذہبی لٹریچر تمام دنیا پر قبضہ کر رہا تھا۔ خوب یاد رکھو کہ قومی ترقی میں لٹریچر کی اشاعت کو بہت بڑا دخل ہے۔ جس قوم کی تحریریں اور تقریریں دنیا میں پھیل جائیں اُن کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ انسانوں کے ہر طبقے کے خیالات پر اُن کا اثر پڑے اور پھر جب حکومت بھی ساتھ ہو اور حکومت بھی جبروتی و قہرمانی تو پھر خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس لٹریچر نے کہاں تک کامیابی حاصل نہ کی ہوگی خصوصاً عوام الناس میں جن کی تعداد ہمیشہ کثیر ہوا کرتی ہے۔

یہ مصیبت یعنی کلمات وضعیہ کا انتشار اور اجماعی و قیاسی فقہ کی تبلیغ دونوں کام بوجہ تم انجام پا رہے تھے مفتی۔ قاضی۔ حاکم۔ خطیب۔ مؤذن اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم

تھے۔ اسی اثناء میں ایک اور طوفان اُٹھا۔ یعنی فلسفۂ یونان کا سیلاب دنیائے اسلام میں لہریں لینے لگا۔ جس نے اسلامی خیالات میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس انقلاب سے ایک جدید فرقہ نکلا جسے معتزلہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے عقائد کی بنیاد اسی فلسفے پر رکھی اور اسی کے استدلالی میگزین سے اپنے مذہبی قلعوں کی حفاظت کرنے لگے۔

اُس زمانے میں شیعہ پارٹی کیا کر رہی تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ تقریباً خاموش تھی اور وہ لوگ جو حقائق و معارف کی آگ سینوں میں رکھتے تھے دل ہی دل میں سُلگتے تھے اور اُف نہ کر سکتے تھے۔ اگر ولی بخار بیچین کرتا تھا تو رموز و اشارات میں اپنا مطلب ادا کر دیا کرتے تھے۔ رسائل اخوان الصفا کا مشہور رسالہ مناظرۂ حیوانات و انسان اپنے رنگ کا عجیب رسالہ ہے۔ اور ادا شناس بھی سمجھتے ہیں کہ لکھنے والے کا مطلب کیا ہے۔

غرض مذکورۂ بالا لٹریچر یعنی فلسفۂ اجماع و فلسفۂ یونان کا نتیجہ یہ نکلا کہ خیالات عام طور پر مسموم ہو گئے۔ حتّٰے کہ حقائق کی بلندیاں پستیوں سے بدل گئیں اور عقائد کی بنیاد سطحیات پر قائم ہو گئی۔ مگر حضرات متصوفین نے لوگوں کو بلند کرنا چاہا لیکن وہ اس طرح بلند ہوئے کہ خود ہی گم ہو گئے۔ فلسفۂ اشراقیین یونان و مصر و ہند کی ترکیب سے ایک نئی معجون تیار ہوئی جس کا ذائقہ جس قدر عجیب تھا اُسی قدر حقیقت اسلام کی چاشنی سے بعید بھی۔

اب زمانے نے پلٹا کھایا اور شیعوں کو تدوین کی مہلت ملی۔ صاحبان قلم اُٹھے۔ ان کا پہلا کام یہ ہوا کہ احادیث معصومین علیہم السلام کے ذخائر جو سینوں میں دفن ہیں اُنہیں جمع کیا جائے حقیقۃً ان بزرگواروں کا کام اس قدر عجیب و غریب تھا کہ جس میں مذہب شیعہ کی ہستی مضمر تھی۔ اور یقیناً یہ ایک تائید تھی۔ ایک الہام تھا کہ انکی نظر انتخاب نے پہلے انہی جواہرات کو جانچا۔ اور جب یہ جواہرات جمع ہو گئے تو ضرورت ہوئی کہ انکی صحت و سقم کے جانچنے کے لئے کوئی میزان مقرر ہو۔ اس کے لئے علم الرجال کی بنیاد پڑی۔ اب سواد اعظم کے لٹریچر نے جو ملک پر محیط تھا اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔

یہ تو اہل نظر جانتے ہیں کہ اس لٹریچر کا ایک بہت بڑا جزو یہ بھی تھا کہ جو لوگ انکے خیالات کے مخالف ہیں اُنکی تصویریں نہایت بدنما رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیجائیں۔ کسی کو ملحد کہا جائے

کسی کو کافر۔ کسی کو زندیق پکارا جائے کسی کو منافق۔ چنانچہ علامہ سیوطی تاریخ الخلفا میں خلفائے فاطمیین کے حالات درج نہ کرنے کی وجہ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لوگ بیدین تھے۔ کافر تھے ملحد تھے۔ اس غریب مُلّا کی یہ تحریر کچھ مایۂ تعجب نہیں ہوتی جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ سیاست نامۂ استبداد کی داستان مذہبی لہجے میں دُہرا دینا بساط حکومت اسلامیہ کی پہلی چال تھی۔

جو لوگ کہ بحیثیت حکومت ان کے مدمقابل تھے اُن کے لیئے ایسے الفاظ کا استعمال تو معمولی ہونا چاہیئے۔ مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محض اختلاف خیال (دربارۂ امامت) سند زندیقیت وغیرہ حاصل کرنیکے لیئے بہت کافی تھا جیسا کہ ہشام ابن حکم۔ ہشام ابن سالم۔ مومن طاق۔ محمد ابن سنان وغیرہم کے حالات کا تفحص کرنے سے پایا جاتا ہے۔ یہ بزرگوار کوئی شک نہیں کہ اپنے زمانے میں حکمائے الٰہئین میں شمار تھے۔ ان لوگوں کے قلوب نے آفتاب صداقت کی شعاعوں کو براہ راست جذب کیا تھا۔ یہ حقائق و معارف کے حامل تھے۔ لیکن جس قدر اس وادی میں انکی منزل بلند تھی اسی قدر انکی قدح سے اغیار کے لب آشنا تھے۔ ان کے قلم کی زبان انکی تفضیح میں کھلی ہوئی تھی اور انکی کتابیں انکی جرح سے مالامال تھیں۔

واضح ہو کہ شیعوں کا دامن فن تاریخ سے بالکل خالی تھا۔ ممکن ہے کہ کچھ تاریخی ذخائر ہوں اور وہ دنیا میں آنے سے پہلے کرخ کی آتشزدگیوں کی نذر ہو گئے ہوں۔ لیکن اب تو ہم یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اہل علم بھی حالات گزشتگان معلوم کرنے کے لئے انہی تاریخوں کی طرف رجوع کرتے تھے جو اس وقت اغیار کی جانب سے اطراف واکناف عالم میں شائع ہو چکی تھیں اور کسی شخص کے متعلق جو واقعات کہ عام طور سے مشہور ہو جاتے تھے یا مشہور کر دیئے جاتے تھے انہی واقعات سے وہ بھی متاثر ہوتے تھے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ علم الرجال کی کتابیں بھی ان روایات حدیث کو مقدوح کر گئیں جنہیں اغیار کی جانب سے بدنما خطاب دیئے جا چکے تھے۔ خصوصاً جو راوی کہ احادیث حقائق و اسرار کے بیان کرنے والے تھے وہ تو بالکل ہی مطرود بارگاہ فریقین قرار دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون محقق مجلسی علیہ الرحمہ نے جلد چہاردہم بحار الانوار میں اقرار کیا ہے کہ جو راوی مقدوح و مجروح قرار دیئے گئے اُنکی خطا سوائے اسکے کچھ نہیں کہ یہ احادیث فضائل روایت کرتے تھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے سامنے کتاب مذکور موجود نہیں ورنہ اصل عبارت نقل کرتا

الغرض مخالفین کے مذہبی لٹریچر کا اثر شیعہ تصانیف میں بھی نمودار ہوا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اب بعض علماء کی یہ فرو گزاشت آیا قابل مدح کہی جائیگی یا قابل مذمت ؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں یقیناً شق ثانی کو قبول نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک اضطراری تسامح کہا جائیگا۔ میرا دل باور نہیں کرتا کہ ان بزرگواروں نے بدنیتی سے ایسا کیا ہو۔ مگر ہاں سنو! اُنہوں نے کہیں یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ باب تحقیق ہم پر ختم ہو گیا۔ یا ہماری تحقیق کے خلاف لب کشائی کرنا کفر و الحاد میں شامل ہے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ تعطیل عقول کا ایک محیرّ العقول زمانہ آنیوالا ہے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اندراس آثار علمیہ پر ماتم کرتے کرتے ہاتھ شل ہو جائینگے اور ارباب مذاق کی قوت سامعہ اس سے اگر متاثر ہوگی تو صرف اتنا کہ یا تو تمسخرانہ مسکراہٹ کا اظہار ہوگا یا جبین بے نیازی پر شکنہائے بوقلموں کے ناز و انداز قیامت ڈھائیں گے جنہیں حاشیہ نشینوں کا رعب شاہی سے پیدا ہونے والا سکوت اور بھی جلا دیگا۔

غلو اور طوفان غلو۔ ائمہ علیہم السلام کے زمانے میں ایک اور مصیبت سے بھی ہم دوچار ہوتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض کمزور عقل والے ائمہ کے متعلق الوہیت یا تفویض مطلق کے مدعی پیدا ہو گئے تھے۔ اس دعوے کی بنیاد یا تو قلت فہم پر تھی یا نفسانی خواہشات پر۔ کچھ بھی ہو۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نصاریٰ میں بھی اپنے پیغمبرؑ کے متعلق یہ خیالات موجود تھے۔ یہود میں بھی۔ ہنود میں بھی۔ اور آج بھی موجود ہیں۔ جبکہ زمانہ تعلیمی میدان میں بہت ترقی کر رہا ہے۔ نصاریٰ علی الاعلان الوہیت مسیح کا دعظ کہتے پھرتے ہیں۔ یہود کا فلسفہ الوہیت عزیر بھی موجود ہے۔ اور ہنود بھی اپنے پیشواؤں کو اوتار کہہ رہے ہیں۔ یعنی ذات لاہوتی نے لباس ناسوتی پہن کر مخلوق کو جلوہ دکھایا۔ تصوف کی آخری حد بھی یہیں تک پہنچ جاتی ہے پس اگر اس زمانے میں ایسے ہی خیالات کے لوگوں سے میل جول کی بنا پر ائمہؑ کی نسبت الوہیت کا اعتقاد قائم کر لیا گیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بلکہ ارباب بصیرت تو اس سے ایک بہتر عقیدہ اخذ کر لیتے ہیں ؎

کفیٰ فی فضل مولانا علیؑ — وقوع الشک فیہ انہ اللہ

یہ مصیبت کوئی تازہ مصیبت نہ تھی مگر آگے چل کر اس مصیبت نے مصیبت عظمیٰ کا لباس پہن لیا

جو لوگ کہ فرقہائے باطلہ کے حالات پر تدبر اور تعمق کی نظر ڈال چکے ہیں اُنکو معلوم ہوگا کہ ایسے فرقوں کا عام اصول یہ ہے کہ وہ انہی واقعات کو لیکر جو ساری قوم میں مشہور ہوتے ہیں انسے غلط نتایج استنباط کر لیا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ "علیؑ نے مردہ جلا دیا" واقعہ کی صحت میں ہمیں عقلاً کوئی کلام نہیں اور منقولی حیثیت سے بھی اس سے انکار قطعی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ مُردے کو جلانا خدا ہی کا کام ہے لہذا علیؑ خدا ہے یقیناً غلط ہی۔

یہ ایک نتیجہ ہے جو فرقہائے باطلہ کے حالات پر غور کرنے سے ہمیں دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن قیامت ایک اور ہوئی کہ لوگوں نے واقعہ اور نتیجہ کو بالکل ایک ہی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا۔ یعنی وہ واقعہ جس سے کسی نے غلط نتیجہ استنباط کیا محض اس جرم پر غلط مان لیا گیا کہ اس سے غلط نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب منطق ہے جیسے منطق الطّیر کہنا ناموزوں نہوگا جس کی بنا محض "طیران" پر ہے۔ وہی طیرہ جسکی بنا پر انا تطیّرنا کہکر انبیاءؑ پر حملے کیئے گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ اگر کسی شخص نے کہیں وہی واقعہ یا اُسکے مثل بیان کیا تو فوراً مدعیان فضیلت کی بارگاہ سے اس کے لیئے بلاخوف تردید "غالی" اور مفوّض کے خطابات شایع کر دیئے گئے۔ "انظر الی ما قال ولا تنظر الیٰ من قال"۔ یہ ارشاد اس وقت بہت جلد یاد آتا ہے جب خود بدولت پر کوئی حادثہ طاری ہو۔ دوسرے کی نسبت قلم اُٹھا کر اس ارشاد کو مدّ نظر رکھنا شانِ علم و بے نیازی سے بعید سمجھا گیا ہے۔

حالات سابقہ سے بہت آسانی کے ساتھ پتہ چل سکتا ہے کہ حقایق و معارف بیان کرنیوالے اکثر غالی، مفوّضہ اور صوفی قرار دیئے گئے ہیں۔ بڑے بڑے اساطین مذہب پر یہ وار پڑ چکے ہیں۔ جیسے کہ شیخ بہاء الدین آملی و قاضی نور اللہ شوشتری وغیرہما۔ حالانکہ غلو کے متعلق نص قرآنی بہت صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ اُسی کی تشریح قول معصوم میں بیان کر دی گئی ہے نزّلونا عن الرّبوبیّۃ وقولوا فینا ما شئتم فانکم لن تبلغوا کنہ ما فینا۔ ہمیں درجۂ الوہیت (مطلقہ) سے الگ کرکے جو چاہو ہماری نسبت کہو کیونکہ تم اُس شے کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتے جو ہم میں موجود ہے۔

لطیفہ۔ ایک مُلا کے سامنے یہ حدیث بیان ہوئی۔ بہت ہی منغّص ہو کر فرمانے لگے ہم کیا کہیں۔

انہیں چاند کہیں۔ستارہ کہیں۔آسمان کہیں۔افسوس اس غریب کو اتنی بھی خبر نہیں کہ انہیں چاند بھی کہا گیاہے۔ستارہ بھی۔آسمان بھی۔بلکہ عرش بھی یہی ہیں اور کرسی بھی یہی۔

اب اس بیچارے کو سوال کرنا پڑیگا کہ جب سب کچھ یہی ہیں تو پھر ہم کیا ہیں؟ اب اسکا جواب کیا دیا جائے؟

خیر یہ بلیات تو تھیں ہی کہ ایک اور چیز سے اہل علم کو سابقہ پڑا یعنی اصول فقہ اور فقہ کی تدوین عمل میں آئی۔ضروری ہوتے ہیں اس کے بھی کلام نہیں لیکن جو توغل و انہماک اس چیز کی طرف ابنائے زمانہ کا ہوا وہ حیرت انگیز ہے۔اس کے مقابلہ میں تمام حقائق و معارف گرد ہو گئے۔بلکہ شدت احتیاط سے وسواس بڑھ کر درد ہو گئے۔اور آج تک یہی رنگ چلا آرہا ہی بلکہ روز افزوں ترقی کے ساتھ۔یہ کیا راز ہے۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔راز تو اصل میں بہت کھلا ہوا ہے۔حضرت ابو حنیفہ نے اپنے لئے کُل علوم میں علم فقہ پسند کیا تھا اور اسکی علت بھی بیان کردی تھی جسے صاحبان نظر جانتے ہیں۔کیا یہ وہی راز تو نہیں ہے؟ اگر یہی ہے تو ع وائے بر ما و گرفتاری ما۔

اس میں شک نہیں کہ مرجعیت عوام جیسی کہ یہ علم پڑھکر حاصل ہوتی ہے دوسرے علم میں ہرگز نہیں۔ماقولکم مدظلکم العالی مستفسرین کا یہ فقرہ کچھ عجیب و غریب اثر رکھتا ہے۔ انبساط نفس کا اس سے بہتر نسخہ کوئی نظر نہیں آتا۔شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے ایک موقعہ پر تصویر کھینچی ہے۔

مرادك ان ترى فى كل يوم	وبين يديك قوم اى قوم
كلابٌ عاويات بل ذئاب	ولكن فوق اظهرهم ثياب
اذا ما قلت اصغو للمقال	وان حدثت بالامر المحال
فليس لهم جميعًا من بضاعة	سوى سمعًا لمولانا وطاعة

(ترجمہ) تیرا انتہائی مقصد یہ ہے کہ ہر روز تیرے گرد اس قسم کے لوگ جمع ہوں جنکی خصلتیں تو عوعو کرنے والے کتوں بلکہ بھیڑیوں کی سی ہوں لیکن انکی پشت عباؤں سے آراستہ ہو۔ وہ تیرے ہر قول کو توجہ سے سنیں اگرچہ وہ امر محال ہی کیوں نہو۔ان میں کوئی شخص صاحب بضاعت علم نہو سوائے اسکے کہ وہ مولانا کے سامنے ہر قول پر "سمعًا وطاعة" کہا کرے۔

انصاف سے دیکھو۔ ہماری فقہی درسگاہوں میں خصوصًا اُس مقام میں جہاں اس قسم کے مقدسین کا اجتماع کامل ہے۔ یہی رنگ نظر آتا ہے یا نہیں۔ بھلا ایسے لوگوں سے ہمیں کیا توقع ہوسکتی ہے کہ وہ حقائق و معارف کی دعوت سے تشنہ کامان علوم حقیقی کو سیراب کرینگے۔ ان کا مطلب بحالت موجودہ اچھی طرح سے حاصل ہے۔ پھر دوسری سے کیا حاصل ان کے لیئے بہت کافی ہے یہ امر کہ انکے خیال میں انکی تعظیم و تکریم منجانب اللہ فرض قرار دیگئی ہے۔ اس کے خلاف کرکے دیکھ لو کیا مزہ آتا ہے۔

گر کسے تعظیم مولانا نہ کرد
مولوی تکفیر بیباکانہ کرد (بہائی رح)

صغرٰے و کبرٰے بہت آسانی کے ساتھ مرتب کرلیا جاتا ہے "ہم نائب امام ہیں اور امام کی اہانت کفر ہے۔ فلہذا ہماری اہانت بھی کفر ہے۔ اس لیئے کہ یہ تو اصول بدیہیۃ میں سے ہے کہ نائب کی اہانت منیب کی اہانت تک منجر ہوتی ہے۔ اب بیچارہ مدمقابل سوائے سمعًا وطاعۃً کیا کہے اور کہے تو کس سے کہے قلوبھم غلف واذانھم مختوم۔ ارباب بصیرت کو غور کرنے سے معلوم ہوجائیگا کہ کسی کی نسبت بے دھڑک فتوٰے دینے والے ایسے ہی فقہا ہوتے ہیں کسی کو غالی کسی کو مفوض۔ کسی کو بابی۔ کسی کو شیخی۔ کسی کو کافر۔ کسی کو ملحد کہدینا ان کے شعار اولیہ میں سے ہے۔ رسولؐ کی بعثت اس لیئے ہوئی تھی کہ لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کریں۔ مگر یہ بزرگوار منجانب اللہ اسی لیئے مبعوث ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اسلام سے خارج کرتے رہیں۔ اگرچہ اس کوشش میں خود بھی اس دائرے سے نکل جائیں۔

میں ہرگز یہ نہیں کہونگا کہ سب کے سب ایسے ہی ہیں۔ نہیں۔ یقینًا نہیں۔ ارباب حقیقت بھی موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اُنکی تعداد بالکل قلیل ہے۔ وہ غریب گوشہ نشین ہیں خلوت گزین ہیں۔ فاقہ کش ہیں۔ دنیا اُن کے نام سے بھی واقف نہیں۔ ان کے پاس قیمتی عبائیں ہیں نہ زرق برق عمامے عجب نہیں کہ کلام معصوم میں انہی کی طرف اشارہ ہو قال امیرالمؤمنین علیہ السلام شیعتنا المتباذلون فی ولایتنا ہمارے شیعہ ہماری ولایت کی بابت میں باہمی بذل سے کام لینے والے ہیں المتحابون فی ولایتنا ہماری ولایت میں ایک دوسرے سے محبت کرنیوالے ہیں المتوازرون فی امرنا ہمارے امر میں ایک دوسرے کا بار اُٹھانیوالے ہیں۔ الذین ان غضبوا لم یظلموا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کسی پر غضبناک

ہوئے جب بھی ظلم سے کام نہیں لیا۔ وان رضوا لعریبسر فوا۔ اور اگر راضی ہوئے تو مسرف نہیں بنے۔ برکۃ علی من جاوروہ۔ جس کے ہمسائے بنے اُسکے لیئے برکت ہیں وسلم لمن خالطوہ جس نے میل جول بڑھایا اُسکے لیئے سلامتی بن گئے۔ اولئک ھم السآئحون الذابلون یہ وہ لوگ ہیں کہ سیاحت (حقیقی) نے جنہیں گھُلا دیا ہے۔ ذابلۃ شفاھھم خمصۃ بطونہم ان کے ہونٹ خشک ہیں شکم ان کے خالی ہیں مغبرۃ الوانھم مصفرۃ وجوھہم انکے رنگ خاکستری ہیں۔ ان کے چہرے زرد ہیں کثیر بکاءھم جاریۃ دموعہم۔ ان کا رونا کثیر ہے۔ ان کے آنسو جاری ہیں۔ یفرح النّاس ویحزنون تمام لوگ مسرور ہیں اور یہ محزون وینام النّاس ویسھرون لوگ سوتے ہیں اور یہ بیدار ہیں قلوبہم محزونہ وشرورھم مامونۃ ان کے دل محزون ہیں۔ اُنکی شرارتوں سے لوگ مامون ومحفوظ ہیں۔ وانفسہم عفیفۃ وحوائجہم خفیفۃ۔ ان کے نفوس صاحب عفت ہیں اور اُنکی دنیوی حاجتیں بالکل تھوڑی ہیں۔ ذبل الشفاۃ من العطش خمص البطون من الجوع ان کے ہونٹ پیاس کے سبب سے سوکھ گئے ہیں۔ ان کے شکم بھوک کے سبب سے پشت سے لگے ہوئے ہیں (صائم الدہر ہیں) عمش العیون من السّھر۔ بیداری کے سبب سے انکی آنکھیں جواب دیئے جارہی ہیں۔ الرّھبانیۃ عنہم لائحۃ۔ رہبانیت (اتقا) ان سے روشن ہے۔ والخشیۃ لھم لازمۃ۔ خوف ان کے لیئے لازمی ہے۔ کلّما ذھب منھم سلف خلف فی موضعہم خلف۔ جب کوئی شخص ان میں سے انتقال کرتا ہے تو اسکا خلف صحیح اسکا قائم مقام ہوتا ہے اولٰئک الّذین یردون یوم القیٰمۃ ووجوھہم کالقمر لیلۃ البدر یغبطہم الاوّلون والاٰخرون لاخوف علیہم لاھم یحزنون۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب روز قیامت وارد ہونگے تو ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہونگے۔ اوّلین و آخرین ان پر غبطہ کریں گے۔ نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ یہ محزون ہونگے۔

یہ ایک معیار ہے جو امیر المومنین نے اپنے شیعیان خاص کے لئے مقرر فرمایا ہے اور ضرور ہے کہ اس معیار پر پورے اُترنے والے لوگ کبھی موجود ہونگے جیساکہ ارشاد کلّما ذھب منہم سلف الخ سے ظاہر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ضرور کہنا پڑیگا کہ ایسے لوگ جو فی الحقیقت

عالم کہلانے کے مستحق ہیں کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ دکانداروں کو اس سے کوئی تعلق ہیں نہیں اگر تا سی الٗمہ کی ضرورت ہے تو صرف متعہ و نکاح ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

غرض اس میں شک نہیں کہ فقہ و اصول فقہ میں انہماک کی بدولت یہ لوگ حقائق و معارف سے بہت دور جا پڑے اور انکی مہربانیوں کا اثر عوام پر لازمی ہونا چاہیئے تھا۔ اذا فسد العالم فسد العالم۔ ان لوگوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا کہ وہ ہر چیز کو اپنے اصول موضوعہ کی رو سے جانچتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہاں ہاں! ان لوگوں کو ضرور دور ہی رہنا چاہیئے تھا جن کی عمر تیز دماء مخصوصہ میں گزر رہی ہو ان کو مقامات نورانیہ صاحبان تطہیر سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

عذر بارد۔ بعض مرتبہ ان الزامات کے جواب میں یہ کلمات مسموع ہوئے ہیں کہ عقائد عوام کی حفاظت لازمی ہے۔ عوام ان نکات و اسرار کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص میں ان چیزوں کے سمجھنے کی قابلیت نہیں مگر سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو آج عوام کہا جا رہا ہے ان میں خصوصیت کا پیدا نہ ہونا در آنحالیکہ وہ اپنے مقلد کو مطاع مطلق سمجھتے ہیں (خصوصًا معاملات دینیہ میں) اسکا باعث کیا ہے۔ کیا انکو ہمیشہ عوام ہی میں شامل کہا جائیگا بیشک فائدہ ظاہری تو اسی میں ہے۔

لیکن فی الحقیقت یہ عذر بدتر از گناہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تجربہ بتاتا ہے کہ مدعیان فضیلت کے نزدیک خود ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ورنہ اسکے کیا معنی کہ جب کوئی دوسرا انکشاف حقیقت پر آمادہ ہو تو فورًا اُسکے مقابلے کے لیئے آستینیں چڑھالی جائیں۔ اور معصومین کے ارشادات صریحہ کی تکذیب پر کمر باندھ لی جائے۔ عوام بیچاروں کا فی الحقیقۃ کوئی قصور نہیں وہ اپنی فطرت صحیحہ پر باقی ہیں۔ ان کے سامنے اگر فضائل و معارف بیان کیے جائیں تو انکی مسرتوں کا کوئی اندازہ نہیں رہتا۔ باوجود اس کے وہی لوگ جو صاحبان فضل سمجھے جاتے ہیں تیوریاں بدلتے اور دانت پیستے نظر آئینگے۔ خدا جانے اگر کسی آیت یا کسی حدیث سے ائمہ کی فضیلت ثابت کیجائے تو انہیں کیوں صدمہ ہوتا ہے۔ ان کے قلب پر کیوں چھریاں چل جاتی ہیں۔ حتےٰ کہ حیدرآباد میں آجکل یہ رنگ ہے اور ایک خاص پارٹی اس مذاق کی پیدا ہوگئی ہے

کہ مجلس میں اُن کے سامنے فضائل اہلبیتؑ بیان کرو وہ ہرگز ضبط نہ کر سکیں گے بلکہ مجلس سے اُٹھ کر چلے جائیں گے۔ ان میں بعض افراد ایسے بھی ہیں جو منطقۃ البروج برسرہ وشانہ ذوات الفروج در برکے حکم میں ہیں۔ لیکن بہ قسم شرعی کہہ سکتا ہوں کہ اُنکی واقفیت تحفۃ العوام سے آگے نہیں بڑھی۔ اور وہ اُردو کی چار سطریں بھی صحیح نہیں لکھ سکتے۔ ہاں یہ کہنے کو موجود ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ فریادِ نو نہیں ہے۔ بلکہ پہلے بھی صاحبان نظر اس درد سے متاثر ہو کر فریادیں بلند کر چکے ہیں جنہیں نہایت حقارت کے ساتھ ابنائے زمانہ نے رد کیا ہے بلکہ اُلٹا انہیں پر ہی الزام دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ایک عالم اپنے فرقے کا ابتدائی عملدرآمد بیان کرتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں۔ وبعد انقضاء هذه المدة يرجعون الى الاصول الماخوذة عنهم المشتملة على اكثر ما يحتاج اليه الناس حتى لا تشذ مسئلة لا يكون فيها حكم جزئي او كلي عنهم عليهم السلام وفق له من وفق وما لم يرد فيه نص او لم يبلغ اليهم كانوا يتوقفون فيه لقول الصادق عليه السلام اما انه شر عليكم ان تقولوا لشيء ما لم تسمعوه منا وما اختلف فيه الاخبار كانوا يرجعون فيه الى القانون المنقول عنهم وما كانوا ليستنبطوا الاحكام من المتشابهات بالآراء والظنون على القوانين التي وضعتها العامة وكان هذا رأيهم الى ان طال عليهم الامد واختلط احداثهم باهل الضلال ووقع الاشتباه فى ماخذ احكامهم وتكلموا فيما سكت الله ورسوله عنه وخاضوا فى المسائل التى اغناهم الله فقالوا بالرائ وما لا يجوز عليه الاعتماد وتركوا طريقة مشائخهم المتقدمين اعنى الاقتصاد على السماع المجرد من اهل العصمة سلام الله عليهم فى الاصول والفروع جميعا ووقعوا فيما شنعوا به العامة بعينه من التشريع والاختلاف۔

زمانہ ائمہ علیہم السلام میں تو جو شیعوں کا عملدرآمد تھا وہ ظاہر ہے۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد شیعہ اُنہی اصول کی طرف رجوع ہوتے تھے جو ائمہ علیہم السلام سے ماخوذ تھے جو اکثر ضروریات انسانی پر شامل تھے حتے کہ کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں اُنکا حکم جزئی یا کلی موجود نہ ہو۔ ہاں صاحب توفیق ہی کو اسکی توفیق ہوتی تھی۔ اور جس بارے میں کوئی نص وارد

نہیں ہوتی تھی یا ان تک نہ پہنچی تھی تو اس وقت توقف سے کام لیتے تھے۔ اس لیئے کہ حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیئے یہ نہایت ہی بدترام ہے کہ ایسی بات مُنہ سے نکالو جسے تم نے ہم سے نہ سُنا ہو۔ اور جس چیز میں اخبار مختلف ہوتے تھے تو اس حالت میں اُسی قانون کی طرف رجوع کرتے تھے جو ائمہ علیہم السّلام سے منقول ہے۔ اور ہرگز متشابہات میں اپنی رائے اور ظن کو دخل دیکر اُن قوانین پہ بنا کرکے جنہیں عامہ نے وضع کیا ہے استنباط احکام نہ کرتے تھے۔ اس حالت پر کچھ مدتیں گزریں آخرکار نئی نسلوں نے اہل ضلالت کے ساتھ میل جول کرلیا۔ ماخذ احکام میں شبہہ واقع ہو گیا۔ خدا و رسول نے جہاں سکوت کیا وہاں انہوں نے کلام کرنا شروع کیا۔ جن مسائل سے خدا و رسول نے انہیں بے نیاز کر دیا تھا اُن میں اپنی رائے کے ساتھ اور ایسے طریقے سے خوض کرنا شروع کیا جس پر ہرگز اعتماد جائز نہیں ہے۔ اپنے مشائخ متقدمین کا طریقہ چھوڑ دیا اور وہ طریقہ یہی تھا کہ وہ تمام اصول و فروع میں صاحبان عصمت و طہارت سلام اللہ علیہم کے ارشادات پر اقتصار کرتے تھے۔ اب یہ لوگ خود اسی بلائے تشریع و اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ جس کی وجہ سے عامہ پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے۔

اس عبارت سے صاحبان فکر جو نتیجہ نکالیں نکالیں۔ مجھے تو یہ دکھانا ہے کہ مخالفین کا لٹریچر ہم میں کافی سرایت کرگیا۔ تاریخ کی حالت وہ۔ فقہ کی حالت یہ۔ ایسی حالت میں ہمارے خون کے ذرات جراثیم وبائیہ سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ جب ہم ہندوستان پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو ایک اور بلا کا سامنا نظر آتا ہے۔ اس سرزمین میں جب اس مذہب نے آنکھ کھولی تو اسے چاروں طرف مخالفین کا اجتماع نظر آیا جس سے باب مناظرہ کا افتتاح ہوا۔ اور نہایت شدّ و مد کے ساتھ ہوا۔ اہل علم کو تدوین عقائدِ حقّہ کی مہلت اور اس پر غور کرنے کی فرصت ہی نہ ملی تھی کہ مخالفین کے مقابلے میں قلم اُٹھانا پڑا فسعیہم مشکور و اجرہم علی اللہ۔

مناظرہ کا قاعدہ یہ رکھا گیا ہے کہ خصم کو اُس کے مسلمات اور اُس کی کتابوں سے جواب دیا جاتا ہے۔ یہی طریقہ علمائے شیعہ نے اختیار کیا اور اس طرح وہ بیشمار کتابیں جو حمایت مذہب شیعہ

میں لکھی گئیں۔ ان میں بکثرت مخالفین کا لٹریچر کتب شیعہ میں نقل ہوگیا اور اب اس طرح گھُل مل گیا جسکا تجزیہ مشکل نظر آتا ہے۔

واضح ہو کہ ائمہ علیہم السلام کے فضائل ومناقب جو کتب اغیار سے نقل کیے جاتے ہیں ممکن ہے کہ وہ مقولہ مشہور والفضل ما شہدت بہ الاعداء کو مد نظر رکھتے ہوئے سر وچشم پر جگہ پانے کے مستحق ہوں۔ لیکن اگر غور سے ہم دیکھیں گے تو ہم اپنے عقائد کی بنیادیں ان پر قائم نہیں کرسکیں گے البتہ وہ انہی کی تسکین کا ذریعہ بن سکیں گے جن کے مرویات سے لئے گئے ہیں۔

لیکن غلطی اسی مقام پر ہوئی کہ منقولات اغیار کو اپنے عقائد میں داخل کرلیا گیا جسنے ہمیں حقیقت سے بہت دور اُٹھاکر پھینکدیا۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ہم اپنے گھر کی چیزوں کو بے انتہا تعجّب سے دیکھتے ہیں اور کثرت تعجّب ہمیں انکار پر آمادہ کرتی چلی جارہی ہے۔

اس وقت ہندوستان میں شیعہ لٹریچر جس قدر شائع ہے اُس کا بہت ساحصہ منقولات اغیار پر مشتمل ہے۔ یہ کتابیں تقریبًا ہر شیعہ کے گھر میں موجود ہیں اور بیچارے عوام ہر گز معلوم نہیں کرسکتے کہ اس حربے کو کیونکر استعمال کیا جائے۔ انکے لئے یہ امر بہت کافی ہے کہ فلاں بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور وہ کتاب بھی شیعوں سے منسوب ہے۔

غرض کتب مناظرہ بھی اشاعت مرویات اغیار کی ذمہ دار قرار پاتی ہیں۔ اصل مقصد کی عمدگی میں کلام نہیں لیکن اسکا یہ نتیجہ بہت بڑا نکلا کہ دود مرویات اغیار دماغوں میں بھر گیا اور اب یہ اس طرح کا جل بنکر جم گیا کہ اُترنے کا نام ہی نہیں لیتا۔

اگر ہم سنجیدگی اور متانت سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت ہمارے کل فنون میں منقولات بیرونی وخیالات عامّہ کی کامل آمیزش ہوچکی ہے حدیث ہو یا تفسیر۔ فقہ ہو یا عقائد۔ سب میں یہ جھلک موجود ہے۔ اور بہت کافی طور سے موجود ہے۔ اور اگر کوئی ان حقائق کو آشکارا کرنیکے لئے کھڑا ہو تو مدعیان فضیلت کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی مجرم نہیں ہوسکتا۔

جب صاحبان خصوصیت اس مرض کا شکار ہوچکے تو پھر عوام النّاس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ انکی زبان سے توانا وجدنا علیہ اٰباءنا کے نعرے آج بھی اسی طرح بلند ہیں جیسے آج سے تیرہ سو برس پہلے ہورہے تھے انکے لئے تو کسی مقدس کی دست بوسی نجات کا کافی ذریعہ ہے اور بس۔ اس سے

آگے کچھ ضرورت نہیں۔
ایک عجیب تماشہ اور ہے اور ایک باحواس انسان کو متحیّر کر دینے کے لئے بہت کافی وہ یہ کہ استنباط احکام کی شرائط اربعہ میں سے ایک عقل بھی رکھی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل آیا یہیں تک محدود ہے یا ایک حجّت عام ہے انسانوں کے لئے؟ تحدید عقل کا کوئی دعوےٰ مسموع تو نہیں ہوا۔ البتہ عملاً دیکھا جا رہا ہے کہ جبروتی بارگاہوں سے تعطیل عقول و سلب حواس کے فرمان صادر کئے جاتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان فرامین عالیہ کی صلاحیت نفاذ روزمرہ کمی کیطرف جھکتی جا رہی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ صاحبان حکومت بھی اس راز سے ماہر ہو چکے ہیں اور اپنی ہر ممکن کوشش سے جبر نقصان پر آمادہ دیکھے جا رہے ہیں۔
مذہبی نگارخانے میں جب ہم داخل ہوتے ہیں تو ہر نقش پر ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔ کا نقشہ نظر آتا ہے۔ آنکھ بند کرکے راستہ طے کرنا۔ یہ تو ایک دوسری بات ہے لیکن ذرا چشم بصیرت وا کر لینے سے تو تماشا ہی تماشا نظر آتا ہے۔ یعنی اب یہ امر فیصلہ شدہ ہے کہ اصول میں تقلید اصطلاحی حرام ہے لیکن عمل اس کے بالکل برخلاف ہے۔
غرض یہ نوبت جب ہمارے علوم اور حاملین علوم کی پہنچ گئی تو اب حقیقت کا سمجھنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ دشوار تر ہو گیا۔
اتنے حجاب ہیں جن میں مسئلۂ امامت پوشیدہ ہو کر تقریباً بالکل غائب ہو گیا۔ اب اگر اس مسئلہ سے کام ہے تو صرف اتنا کہ اصول دین میں اسے سُنتے چلے آتے ہیں لہٰذا مان لو۔ ورنہ اصل حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔
دنیا میں ایک قاعدہ سُنا جاتا ہے کہ ہر چیز اپنی تعریف سے پہچانی جاتی ہے۔ اس بنا پر اگر ہم مسئلۂ امامت کی تعریف پر نظر ڈالیں اور اُن الفاظ کو جانچیں جو تعریف امامت میں لکھے جاتے ہیں تو اُن سے ہرگز کوئی پتہ ہی نہیں چل سکتا کہ ہم کس قسم کی امامت کے قائل ہیں۔ اس پر لطف یہ کہ اسی مسئلۂ امامت میں شیعہ و سنی کا اختلاف مسلّم ہے۔ لیکن تعریف امامت میں دونوں متفق۔ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ علمائے اہلسنت اس قدر

کمزور عقل والے تھے کہ امامت کی ایسی تعریف لکھ گئے جس سے شیعوں کو اپنا مقصود حاصل کرنیکا موقع مل گیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلسنت نے کبھی معتقدات شیعہ کو اپنا ماخذ قرار نہیں دیا البتہ شیعوں نے یہ فخر ضرور حاصل کیا ہے اور تعریف امامت کا ماخذ انہی کی کتب عقائد ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان کلمات سے برا مانیں تو وہ مہربانی فرما کر بجائے خفا ہونے کے تحریر فرمائیں کہ امامت کی یہ تعریف "الامامۃ ھی ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابۃ عن النبی" یا "بتوسط البشر" کونسی آیت اور کونسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ بصد معافی اپنا خیال واپس لے لیا جائیگا۔

اس مسئلہ پر البرہان لاہور میں کافی بحث ہو چکی ہے لہذا یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں بمقتضائے مقام اشارہ کیا گیا۔

جب ابھی تک امامت کی تعریف صحیح ہمارے پاس موجود نہیں ہے تو پھر اس سے جس قدر فروعات نکلیں گے وہ سب کے سب ناقص رہیں گے۔ اس نقص کو اگر ہم کمال سے تعبیر کریں تو یہ قلب معکوس کا اقتضا ہوگا۔ بصیرت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

الوحی والامامۃ } جو حضرات سطور بالا پر غور فرمائیں گے تو انکو دیانت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچنا پڑیگا کہ واقعی ہمارا عام طبقہ حقائق و معارف امامت سے بہت دور ہو گیا۔ کیونکہ جب اصول عقائد کا ماخذ اقوال اشاعرہ و معتزلہ قرار پا جائیں تو معرفت امام کا خدا ہی حافظ ہے۔

یہ اسباب ہیں جنہوں نے استعداد فطری کو سلب کر لیا۔ اور اب ایسے لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر ان کے سامنے کوئی معمولی بات بھی امامت کے متعلق بیان کیجائے تو وہ صاف مکر جاتے ہیں۔ نہیں۔ انکار کرتے ہیں اور غیظ و غضب کے ساتھ انکار۔

آجکل ہندوستان کے بعض اہل علم اس پر چیں بجبیں ہیں کہ امام کو صاحب وحی اور مہبط ملائکہ کیوں لکھا جاتا ہے۔ ایسا لکھنا۔ ایسا کہنا۔ ایسا عقیدہ رکھنا مذہب شیعہ کے خلاف اور قطعاً خلاف ہے۔

واقعاً مذہب شیعہ کی حالت اب سخت افسوس کے قابل ہے کہ اس کی لگامیں ایسے

حضرات کے ہاتھوں میں جا پڑیں جنہیں نور ایمان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور یہ لوگ بلا تکلف جو چاہتے ہیں کہہ اُٹھتے ہیں۔ انہیں قطعاً کلام اللہ اور ارشاد ائمہ سے مس نہیں ہے یہ لوگ اگر کلام اللہ کو دیکھتے ہیں تو زمخشری اور فخرالدین رازی کی عینکوں سے دیکھتے ہیں اور یہی انکے لئے معراج کمال ہے۔

قبل اس کے کہ مسئلۂ مبحوث عنہا پر نظر ڈالیں ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وحی کیا ہے۔ گو ہم کسی چیز کی کیفیت اصلی نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم مجبور محض کر دیئے گئے ہیں۔ بقدر امکان عقل رسائی ضرور ہے۔ اس کیفیت کی تفصیل کے لئے ہمیں خود غور و فکر سے کام لینا چاہیئے اس لئے کہ ہمارا بھی تو قدرت نے کچھ فرض قرار دیا ہے۔ غور و تفکر کا مادہ ہم میں بھی ودیعت رکھا گیا ہے۔ ہم نے جب کسی زمانہ میں الست بربکم کا جواب دیا تھا اپنی استعداد فطری کی بنا پر دیا تھا۔ یہی نص قرآنی حدیث مشہور کل مولود یولد علی الفطرۃ کا ماخذ ہے۔ ایسی حالت میں ہم مشغول الذمہ قرار پائینگے اگر ہم نے اس دولت کو ضائع کر دیا۔

اصول عقائد بہت سیدھے سادے اور صاف ہیں۔ یہ صرف دماغ کی کجی ہے کہ انہیں ٹیڑھا کر دیا گیا۔ یا ٹیڑھا بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کلمات دینیہ کو عجیب و غریب سانچے میں ڈھالا ہے کہ سوائے حیرانی و پریشانی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

فصیّرو ھا فی حوزۃ خشناء یغلظ کلمھا و یخشن مسّھا و یکثر العثار فیھا و الاعتذار منھا

نہایت سخت مقام میں ان کلمات کو ڈالدیا گیا ہے کہ اس مقام میں کاری زخم اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اس خارستان کو کوئی چھو نہیں سکتا قدم قدم پر ٹھوکریں ہیں اور جگہ جگہ پر عذر و اعتذار۔

فطرت کے وہ اصول محکمہ جن کا جال ہمارے چاروں طرف پھیلا ہے اور خود ہم میں موجود ہیں کبھی بیکار نہیں ہو سکتے بلکہ فطرت عالم بہترین طریقۂ استدلال ہے۔ ہر چیز کے لئے۔ اگرچہ ہماری نظر اس کے انتہائی اسرار تک نہ پہنچے۔

قال سبحانہ عزشانہ۔ سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شئ شھیدا۔ ہم اپنی آیات۔ محکم آیات۔ زبردست نشانیاں ان لوگوں کو

آفاق میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھا رہے ہیں۔ کیا تیرے پروردگار کے لئے یہ امر کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔

مجھے اس آیت کی توضیح سے اس وقت مطلب نہیں اور نہ اس کے اسرار و غوامض سے سردست سروکار لیکن صرف یہ دکھانا ہے کہ دلائل آفاقیہ وانفسیہ کو خداوند عالم نے حجت کاملہ کے طور پر پیش کیا ہے فللہ الحجۃ البالغۃ اور کامل حجتوں کا قیام خدا کے ہی لئے ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اشیاء جو خدا کی طرف دلالت کر رہی ہیں آیا یہ دلالت کامل ہے یا ناقص؟ ناقص تو کوئی ایماندار کہہ نہیں سکتا لہذا کامل کہنا پڑیگا۔ جب کامل ہے تو پھر کامل چھوڑ کر دوسری طرف جھکنا خود اپنے نقص کی دلیل ہے۔

اشیائے عالم پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو عالم مادیات کا پہلا طبقہ جسے جمادات سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس سے ہم حس و حرکت کی نفی کر رہے ہیں۔ ایک حس باطنی اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شعور ذاتی اس میں موجود ہے۔ اگر یہ شعور نہ ہوتا تو کبھی اس میں نمو کی شکل نمودار نہ ہوتی۔ یہ شکل اسی لئے نمودار ہوئی کہ اس میں جلب نفع اور دفع ضرر کا شعور موجود ہے۔ وہ ان اجزائے ارضیہ کو جذب کر لینے کی قابلیت رکھتا ہے جو اس کی غذا بن سکیں اور جن سے نشو و نما جسم کی ہو سکے۔ خالق ارض وسمانے بغیر کسی امداد خارجی کے یہ قابلیت اس کے اندر رکھی ہے۔ اور یہ قابلیت اس روح کا ایک اثر ہے جسے روح جمادی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قابلیت۔ استعداد۔ شعور اس روح کے خواص میں سے ہیں اور جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عالم جمادات کو اگر ہم جسم نامی نہیں سمجھتے تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے حالانکہ یہ ایک بدیہی امر ہے۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ٹکڑے اور بڑی بڑی چٹانیں نشو و نما کی کافی دلیل ہیں۔ اور یہی نشو و نما اس قابلیت کا اثر ہے جو روح جمادی کے خواص میں سے ہے۔

واضح ہو کہ موجودات میں کوئی شے روح سے خالی نہیں اور بغیر اس کے اس شے کا نظام جسمی قائم نہیں رہ سکتا۔ ہاں اپنے اپنے مقام کے لحاظ سے اسکی شان مختلف ہے۔ اور مختلف ہونی بھی چاہئے۔

جب طبقۂ جمادات سے گزر کر آپ طبقۂ نباتات میں قدم رکھیں گے تو یہاں بھی وہی اثر آپ کو کام کرتا ہوا نظر آئیگا جسے روح نباتی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - یہ شگوفہ ریزی - یہ نشوونما یہ خوشنما ہریاول - اجزائے ارضیہ - اجزائے ہوائیہ - حرارت آفتابی و نورانیت ماہتابی سے اپنی اپنی غذا کو بلا تردد جذب کرتے رہنا - لباس کہن ہر سال دور کر دینا - خلعت نو سے مزین ہو جانا بغیر اسکے کہ باغبان کا تصرف ہو اور بغیر اسکے کہ کسی خارجی تدبیر سے توسل کیا جائے - آخر یہ کیا چیزیں ہیں؟ صاف کہنا ہوگا کہ مدبر حقیقی نے یہ تمام طاقتیں اس میں ودیعت رکھی ہیں - روح نباتی اپنے فرائض بجا لا رہی ہے اور جس کام کے لئے وہ آئی ہے اُسے انجام دے رہی ہے۔

اب آؤ - عالم حیوانات کا مشاہدہ کرو - یہاں بھی یہی رنگ آپکے پیش نظر ہوگا - تمام حیوانات اپنی اپنی فطرت پر عمل کر رہے ہیں - بیا ایک ننھا سا جانور اونچی اور نازک پھننگوں پر اپنا گھونسلا بناتا ہے - اسی خیال سے کہ دشمن کی رسائی وہاں تک نہ ہو - اپنے آشیانے کو کرمک شب تاب سے روشن کرتا ہے - شہد کی مکھی ایک کامل مہندس کی طرح اپنا چھتہ تیار کرتی ہے اسی طرح تمام حیوانات چیونٹی سے لیکر بڑے سے بڑے کوہ پیکر اجسام تک اپنی تمام ضروریات پر طبعاً حاوی ہیں - اور یہ تمام روح حیوانی کے کرشمے ہیں جو حیوانات میں ہم کو نظر آرہے ہیں۔

یہی حال ہم کو انسانوں کا نظر آئے گا جو بلحاظ ترکیب عنصری و کیفیت باطنی تمام طبقات سے افضل ہیں - یہ تمام ایجادات و اختراعات - تمدن کی نیرنگیاں - علمی انکشافات - آخر کیا چیز ہیں؟ اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ ان تمام بوقلمونیوں کا منبع انسان ہی ہے - دیگر حیوانات قطعاً اس میں انسان کے شریک و سہیم نہیں - اس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ فی الحقیقۃ یہ روح انسانی کے خواص ہیں - یہ خواص اس سے کبھی منفک نہیں ہوتے - اِلّا یہ کہ انسان خود اس روح سے ہی تعلق نہ رکھے - پھر جب اسی سے تعلق نہ رہا تو اسکے خواص سے کیونکر متمتع ہو سکیگا۔

عالم کی ہیئت ترکیبی پر معمولی غور کرنے سے یہ راز بھی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ طبقۂ اعلےٰ طبقۂ ادنےٰ کے اوصاف پر مع شئے زائد حاوی و محیط ہے۔

مثال یوں سمجھو کہ پتھروں میں جو روح کام کر رہی ہے وہ اپنے مقام پر اچھا کام کر رہی ہے لیکن عالم نباتات اس روح کو بھی لئے ہوئے ہے جس سے جمادات کا قیام ہے اور پھر ایک

جدید اضافہ بھی اس کے قبضہ میں ہے جسے روح نباتی کہتے ہیں۔ قس علیٰ ہذا۔

اس بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ طبقات عناصر میں ہر طبقہ جو اپنے اندر روح رکھتا ہے اس روح کے اثرات طبعی بھی رکھتا ہے۔ نہ جمادات اس سے خالی نہ نباتات نہ حیوانات اس احسان سے سبکدوش ہو سکتے ہیں نہ انسان۔ انہی اثرات کو اشیاء کے خواص طبعی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ انہی کو شعور طبعی بھی کہتے ہیں۔ اور یہی ادراک طبعی سے بھی موسوم ہے۔

اب غور کرو لفظ وحی پر۔ اصلہ فی لغت العرب اعلام فی الخفاء ولذالک صار الالہام یسمّی وحیاً اصل لغت عرب میں پوشیدہ اور خفیہ تعلیم کو وحی کہتے ہیں اور اسی لئے الہام کو وحی کہا گیا ہے کیونکہ الہام بھی القائی القلب کا نام ہے۔ خیر۔

اس قدر معلوم کرنے کے بعد ہر صاحب بصیرت غور کریگا کہ یہ پوشیدہ تعلیم قدرت کی طرف سے ہر چیز کو اُس کی حیثیت کے موافق دی گئی ہے۔ پوشیدہ تعلیم کے یہ معنی نہ سمجھئے کہ کوئی مولوی صاحب کسی شاگرد مخصوص کو علٰحدہ حُجرے میں لئے بیٹھے رہیں اور پڑھایا کریں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ وہ پوشیدگی ہی جسے واقعاً پوشیدگی کہتے ہیں۔ اور اسی پوشیدہ تعلیم کا اثر ہے ان من شئ الا یسبح بحمدہ۔ فطرت شخص میں کسی چیز کا رکھ دینا حقیقۃً یہی پوشیدہ تعلیم ہے۔ اسی کا نام وحی ہے اور اسی لئے خداوند عالم نے ہر قسم کی مخلوق کی نسبت لفظ وحی استعمال فرمایا ہے۔

وحی الی الارض کی نسبت ارشاد ہوتا ہے بان ربک اوحی لھا زمین اپنے اخبار بیان کریگی اس لئے کہ تیرا پروردگار اسے وحی کر چکا۔ یعنی زمین کی طبعی حالت میں تیرے پروردگار نے یہ امر بھی رکھدیا ہے کہ وہ اپنے حالات جو اس پر گزرتے ہیں بیان کرے۔ یہ عرکوئی امر نو نہوگا۔ آج بھی زمین میں یہ استعداد موجود ہے اور اسی کے سامنے ظہور میں آتی ہے جو اس کے سُننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا نے امیرالمومنین سے زمین کو باتیں کرتے سُنا اور جس کا اظہار آپ نے رسول اللہ سے کیا۔

حضرت باقر علومؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح معمار کے ہاتھ میں وہ آلہ ہوتا ہے جس سے وہ تمام مکانوں کی پیمائش کر لیتا ہے اسی طرح ہمارے ہاتھ میں زمین کی رگیں ہیں۔

ائمہ علیہم السّلام سے زمین کا باتیں کرنا کتب شیعہ میں بکثرت موجود ہے جس سے کوئی صاحب نظر انکار نہ کرے گا۔ بہرطور لفظ وحی زمین کی نسبت آیا ہے اور اسی قرآن میں آیا ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے۔

حیوانات کی نسبت ارشاد ہوا ہے اوحیٰ ربّك الی النّحل تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کر دی۔ یہ وحی بھی اسی شعور فطری کی طرف اشارہ کر رہی ہے جسکا ذکر کیا گیا۔

واضح رہے کہ لفظ وحی شعور فطری پر جس طرح حاوی ہے اسی طرح القاء فی القلب پر بھی یعنی کسی امر جدید کا دل میں وارد ہو جانا۔ یہ بھی فی الحقیقت اسی خفیہ تعلیم سے تعلّق رکھتا ہے۔

چنانچہ ورود امر جدید کے متعلّق ارشاد ہوا ہے اوحیتُ الی الحواریّین میں نے حوارئین کو وحی کی۔ اے القیت فی قلوبھم یعنی ہمنے اُنکے دلوں میں ایک بات ڈالدی۔

پھر ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے واوحینا الیٰ امّ موسٰی ہم نے مادر موسٰے کی طرف وحی کر دی بعض افاضل کا اس کے متعلّق یہ ارشاد قیل ھو وحی اعلام لا الھام کہ اس سے وحی اعلامی مراد ہے نہ کہ الہامی۔ صرف لفظوں کا اُلٹ پھیر ہے اور شدّت احتیاط کا مقتضیٰ۔

اسی طرح لفظ وحی قرآن مجید میں آسمان کی نسبت بھی آیا ہے۔ مگر یہ خوب غور کر لیجئے کہ یہ لفظ کسی طبقۂ مخلوق کی نسبت استعمال کیا جائے اسکا مفہوم اصلی اعلام فی الخفاء ضرور باقی رہے گا۔ خواہ وہ شعور فطری ہو یا القائے امر جدید۔

یہ بحث "القائے امر جدید" ایک درمیانی بحث تھی۔ سردست ہم اس سے کوئی تعلّق نہیں رکھنا چاہتے۔ یہ وضاحت صرف اس لئے کر دی کہ آیندہ کسی موقعہ پر کام آئے اور اس کے ساتھ ہی دفع دخل بھی ہو جائے۔

ہم اس وقت صرف شعور فطری سے بحث کر رہے ہیں اور ہم نے بتا دیا ہے۔ گو اجمال کے ہی ساتھ سہی۔ کہ شعور فطری ہر چیز میں موجود ہے۔ اور یہ شعور خاصیّت ہے اُس روح کی جو اُس شے میں جاری و ساری ہے۔ اور اس شعور کو بھی وحی کے نام سے نامزد کیا گیا ہے اور خود اُسنے نامزد کیا ہے کہ جو تمام شعور و ادراکات کا خالق ہے۔

اتنا سمجھنے کے بعد اب یہ بھی غور فرمائیے کہ ہر طبقہ کے شعور فطری میں اختلاف ہے۔ یا یوں کہو کہ

جس کی روح قوی ہے اُسکا شعور بھی قوی ہے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ اور جسکا شعور قوی ہے اُسکی وحی بھی قوی ہوگی۔ کیونکہ اسی شعور کو تو وحی کہا گیا ہے۔

یہ امر تسلیم کر لینے کے بعد آپ کو ماننا پڑیگا کہ طبقۂ انسان بلحاظ دیگر طبقات کے یقیناً افضل و اعلےٰ ہے۔ اسی لیئے اسکا شعور۔ اسکا ادراک۔ اسکے قوائے عقلیہ۔ اس کی روح سب سے قوی ہونگے اور اسی بنا پر اسکی وحی بھی طبقات ماتحت کی بہ نسبت قوی ہوگی۔

لطیفہ۔ چونکہ انسان کی روح سب سے قوی ہے اسی لیئے اس پر جو افاضات ہوتے ہیں وہ بھی دیگر مخلوق سے بہت زیادہ ہیں۔

دوسری مخلوق کا یہ حال ہے کہ جو چیز انکی فطرت میں رکھی گئی ہے بس وہ اُسی پر چل رہی ہیں۔ شہد کی مکھی آج سے ہزاروں برس پہلے جس قسم کا گھر بناتی تھی ویسا ہی آج بھی بناتی ہے گویا اُسکی روح افاضۂ امر جدید کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس میں اسکی قابلیت ہے۔ برخلاف اسکے انسان کی قوتیں بہت زیادہ ہیں۔ خصوصاً نفس ناطقۂ انسانی کی قوت و طاقت سبحان اللہ جو علمبردار ہے مدبرہ طاقتوں کا۔ اسی لیئے انسان اسکی صلاحیت رکھتا ہے کہ اسپر افاضات جدیدہ وارد ہوتے ہیں۔ اور اسی لیئے گو الہام و وحی کی حدیں ایک ہی مقام پر جا کر ملجاتی ہیں لیکن پھر بھی الہام میں کچھ نہ کچھ نزاکت ضرور ہے۔ اسی واسطے بلحاظ مورد لفظ وحی عام ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول سب کیلئے آیا ہے۔ اور الہام صرف نفس ناطقۂ انسانی سے تعلق رکھتا ہے۔ و نفس وما سوّاھا فالھمھا فجورھا وتقواھا۔ قسم ہے نفس کی اور اُسکی جس نے اسکا تسویہ کیا اور پھر اسنے اسکے فجور و تقوےٰ کا الہام کر دیا۔

آپ اس ضمنی بحث میں اُلجھکر مطلب اصلی ہاتھ سے نہ جانے دیں یعنی جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ انسان یا یہ کہو کہ روح انسان کی قوت سب سے زیادہ ہے تو اسکا لازمہ یہ ہے کہ اس کا شعور و ادراک بھی سب سے قوی ہوگا۔ یا یوں کہو کہ اس کی وحی بھی سب سے قوی ہوگی۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انسان کو اس فیض سے محروم کر دیا جائے۔ اور ہم اس کے شعور فطری ذاتی کو وحی سے تعبیر نہ کریں۔ جبکہ ہر حجر و شجر اس فیض سے اپنی اپنی قابلیت کے موافق حصّہ لے رہا ہے۔

دفع شبہہ۔ ضرور ہے کہ ارباب ادعائے علم ان الفاظ پر بہت کچھ چونکتے ہونگے۔ اور ہر انسان کا صاحب وحی ہونا نہیں قلمی یا دماغی طغیانیوں پر آمادہ کریگا لیکن جو نتائج کہ بدیہی ہوں انکے اعلان میں کسی کے شور وغوغا سے مرعوب ہوجانا علمی دنیا میں خوفناک جرم سمجھا گیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے وحی کو انبیاءؑ سے مخصوص کر دیا ہے۔ گویا انہوں نے یہ کلیہ قائم کرلیا ہے کہ ہر صاحب وحی نبی ہے۔ اگر اس کلّیہ کو صحیح مان لیا جائے تو حواریین کو نبی تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ قرآن میں انکی طرف وحی کی نسبت دیگئی ہے۔ اور اگر کھینچ تان کر انہیں نبی بھی بنا یا گیا تو پھر مادر موسٰےؑ کی نسبت کیا ارشاد ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی بنص قرآنی صاحب وحی ہیں۔ پس جب کلّیہ ہی صحیح نہیں ہے اور نصوص قرآنیہ اس کی تردید اور کھلی ہوئی تردید کر رہی ہیں تو پھر اس پر تفریعات کیونکر مترتب ہوسکینگی۔

آئیے سلسلۂ اصلی پر۔ ہم بیان کر رہے ہیں کہ بلحاظ درجات جس طرح روح مختلف درجے رکھتی ہے اسی طرح اسکے شعور و ادراک بھی مختلف ہیں یعنی وحی بھی اسی طرح مختلف درجے رکھتی ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچکر ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں دامن اہلبیت سے متمسّک کر دیا۔ اگر ان سرچشمہ ہائے علوم حقیقی کے فیض کی شعاعیں ہم تک نہ پہنچتیں تو یقیناً ہمارا قدم متزلزل ہوجاتا۔ اور ہم ضرور کہہ اُٹھتے کہ ہماری وحی اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ کی وحی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ بلحاظ تصفیہ قلب انہیں مبادی عالیہ سے اتصال زیادہ تھا۔ یہ اتصال ہمیں بھی حاصل ہوسکتا ہے اگر ہم کوشش کریں۔ چنانچہ اسی خیال نے لوگوں کو بہکا دیا اور اب بھی لاکھوں مخلوق بھکی ہوئی نظر آتی ہے۔

اقسام روح۔ اب ہم روح کے اقسام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ روح کی کتنی قسمیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے جس میں تقسیم جاری نہیں ہوسکتی۔ یہ بالکل صحیح ہے لیکن کسی شے کی تقسیم اور چیز ہے اور اس کے اقسام مستقلہ دوسری چیز۔ روح کی یہ قسمیں ہم کو بدیہی طور پر نظر آرہی ہیں۔ اگر جمادات میں وہی روح ہے جو نباتات میں ہے تو پھر اول الذکر میں وہی صفات وآثار کیوں نہیں جو آخر الذکر میں ہیں۔ اور اگر نباتات

میں اُسی روح کا جلوہ ہے جسکی حیوانات میں روشنی ہے تو کیوں؟ نباتات میں حیوانات کے تمام آثار و خواص نہیں پائے جاتے۔ اگر حیوان اور انسان کی روح ایک ہے تو پھر کیوں ان کے افعال و اطوار یکساں نہیں ہیں۔ غرض قسمیں روح کی ضرور ہیں اور جسکو جو روح دیگئی ہے اسکے ظرف کے لحاظ سے دیگئی ہے۔ خیر اب انسان کو دیکھو کہ آیا یہ ایک ہی روح رکھتا ہی یا کچھ زیادہ۔ ہم نے اسی سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ہر ایک طبقۂ مافوق طبقۂ ماتحت کے کمالات پر بھی حاوی ہے اور خود مستقلاً بھی ایک فیض جدید لیئے ہوئے ہے۔ مثلاً نباتات کہ وہ روح جماد کو بھی لیئے ہوئے ہیں۔ اور خود بھی ایک افاضۂ جدید یعنی روح نباتی رکھتی ہیں۔ پس انسان جو سب سے مافوق ہے وہ تمام ارواح سہ گانہ ماتحت کو بھی لے رہا ہے اور ایک جدید چیز یعنی روح انسانی بھی اُس کے پاس ہے بلکہ اس کی انسانیت اسی کے دم سے ہے۔ ورنہ بغیر اس کے وہ بھی ایک دوپایہ بغیر دُم کا حیوان ہے۔

احادیث کے تتبع سے صاف ظاہر ہے کہ عام انسانوں میں تین روحیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی روح القوۃ۔ روح الشہوۃ۔ روح البدن۔ روح القوت سے تدبیر معاش متعلق ہے۔ روح الشہوۃ سے لذت طعام و نکاح کا تعلق ہے۔ اور روح البدن کے سبب سے انسان چلتا پھرتا ہے۔ ان میں سے کوئی روح بھی ادراک و شعور یا وحی فطری سے خالی نہیں ہے۔ اب ایک روح اور ہے جو مومنین سے مختص ہے۔ اُسکو روح الایمان کہا جاتا ہے۔ اس روح کے آجانے سے ارواح سہ گانہ ماتحت کے افعال و شعور و ادراک اعتدال پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور ان پر روح ایمان کی حکومت ہو جاتی ہے۔ اور حسب قاعدۂ فطریہ یہ روح ایمانی بھی اپنی خصوصیات فطریہ اور شعور و ادراک کو لیئے ہوئے ہے۔ اور جبکہ روح ایمان کمال کو پہنچتی ہے تو اپنے سے مافوق روح کے اثرات لینے لگتی ہے۔ جیسا کہ سلمان منا اهل البیت سے ظاہر ہے۔ اس سے مافوق جو روح ہے اُسکا نام روح القدس ہے۔ اور وہ خاص لوگوں کے لیئے ہے عوام کو اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ روح بھی شعور اور ادراک فطری اور اپنی خاصیتوں سے خالی نہیں مانی جاسکتی۔ مگر ہاں اسکے شعور و ادراک یقیناً ارواح ماتحت سے بہت اعلےٰ ہیں۔ اور اس کی وحی بہت بلند ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ روح القدس کو وحی سے خالی

تسلیم کرلیا جائے بمعقول ہو یا منقول کسی حیثیت سے بھی یہ روح اپنے کمالات سے خالی فرض نہیں کیجا سکتی۔ اور نہ یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ عام انسانوں کا شعور اور ادراک بھی انہی انسانوں جیسا ہے جو روح القدس کے حامل ہیں۔

فی الکافی عن امیر المؤمنین علیہ السّلام ان الانبیآء وھم السابقون خمسۃ ارواح روح القدس وروح الایمان وروح القوۃ وروح الشّھوۃ وروح البدن وقال فبروح القدس بعثوا انبیآء وبھا علموا الاشیآء وبروح الایمان عبدوا اللّٰہ ولم یشرکوا بہ شیئا وبروح القوّۃ جاھدوا عدوھم وعالجوا معاشھم وبروح الشھوۃ اصابوا لذیذ الطعام ونکحوا الحلال من شباب النسآء وبروح البدن دبّوا ودرجوا ثم قال وللمؤمنین وھم اصحاب الیمین الاربعۃ الاخیرۃ وللکفّار وھم اصحاب الشّمال لثلٰثۃ الاخیرۃ۔ الحدیث

حضرت امیر المومنین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السّلام جو گروہ سابقین ہیں انکیں پانچ روحیں ہیں۔ روح القدس۔ روح الایمان۔ روح القوۃ۔ روح الشہوۃ روح البدن روح القدس کے ساتھ انبیا مبعوث ہوئے اور اس کے سبب سے اشیاء (حقائق اشیاء) کو معلوم کیا۔ روح الایمان کے سبب سے خدا کی عبادت کی اور کسی کو اُسکا شریک نہیں گردانا۔ روح القوت کے سبب سے اپنے دشمنوں سے جہاد کیا اور معاش کی تدبیر کی۔ روح الشہوت کے سبب سے لذت طعام حاصل کی اور جوان عورتوں سے نکاح حلال کیا۔ اور روح بدن کے سبب سے چلتے پھرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ اخیر کی چار روحیں مومنین کے لیئے ہیں جو اصحاب یمین (علیؑ) کہلاتے ہیں۔ اور باقی آخری تین روحیں کفار کے لیئے ہیں جو اصحاب الشمال ہیں۔

اس حدیث سے جہاں روحوں کے اقسام معلوم ہوئے وہاں انکے افعال وخواص بھی معلوم ہوگئے۔ روح القدس کا یہ کام بتایا ہے کہ اسکے سبب سے حقائق اشیاء معلوم ہوتے ہیں تو اب جہاں کہیں بھی روح القدس پائی جائے گی اپنے انہی خواص وافعال وشعور فطری وادراک فطری کے ساتھ پائی جائے گی۔ اور یہی اس کی وحی فطری ہوگی۔

جب ہم سلسلہ وار دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ہر روح کو خداوند عالم نے کچھ خاصیتیں عطا فرمائی ہیں تو روح القدس کو اُسکی حیثیت اور درجے کے موافق کیوں نہ کچھ خصوصیات عطا فرمائیگا۔ اب

جہاں روح القدس کا وجود ہوگا وہاں اسکے خواص کا وجود کیونکر تسلیم نہ کیا جائیگا۔
انشاء اللہ آیندہ بیان کیا جائیگا کہ ائمہ علیہم السّلام میں روح القدس موجود ہے۔ صرف روح القدس نہیں بلکہ روح اعظم ان میں جلوہ گر ہے۔ اور اپنے پورے کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اس سے اگر کوئی کہے کہ انکا انبیا ہونا لازم آتا ہے تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ بہت اچھا آنے دیجئیے۔ اگر واقعتًا اس سے یہی لازم آتا ہے تو پھر مجبوری کا مقام ہے۔ جو شخص ارشادات ائمہ پر ایمان رکھتا ہے وہ تو فورًا تسلیم کریگا۔ وہ خرق اجماع مرکب کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ بلکہ انبیا ہونا تو ایک طرف۔ اگر خدا ہونا لازم آئے تو اپنا کیا نقصان ہے آنے دیجئے۔ وہمیّات کی بنا پر احادیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن سمجھ دار جانتے ہیں کہ صلاحیت نبوّت واستعداد نبوت دوسری چیز ہے۔ نبوت فعلی دوسری چیز۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سلسلے کے اسما جتنے ہیں توفیقی ہیں۔ جسؑ کو خدا نے نبی کہا ہے اُسکو نبی کہا جائیگا جسکو ولی کہا گیا ہے اہل ایمان اُسے ولی کہیں گے۔ جو امام ہے وہ امام ہی پکارا جائیگا۔ اور جو رسول سے مخاطب کیا گیا ہے اُسے رسول سے ہی مخاطب کرینگے۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی اپنی خصوصیات بھی لیئے ہوئے ہے۔ ہم اپنی طرف سے کسی خطاب دینے کے مجاز نہیں ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان سے کمالات و علوم کی بھی نفی لازم آئیگی۔ سبحان اللہ۔
اہل ایمان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ روح کی جو قسمیں بیان ہوئیں اُن میں سب سے بڑھا ہوا مرتبہ روح القدس کا ہے۔ اسی کے سبب سے انبیا مبعوث ہوتے ہیں اور اسی کے سبب سے حقائق اشیا، کو جانتے ہیں۔ گویا علم حقائق اشیا اس روح کے خواص میں ہے۔ اب جہاں جہاں یہ روح پائی جائیگی وہاں اپنے خواص کے ساتھ ہی پائی جائے گی۔ اور یہی خواص شعور فطری اور وحی فطری ہیں۔ پس اس روح کو ہرگز وحی سے خالی فرض نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں ہمیں یہ بھی بیان کر دینا چاہیئے کہ ایک روح اور بھی ہے جسے روح اعظم کہا جاتا ہے۔ اور وہی امّ الارواح ہے۔
ہندوستانی کان جو تعلیمات ائمہؑ سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ یہ کلمات بیشک اُن کو غیرمانوس اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقةً ایسا نہیں ہے۔ جن لوگوں کی عمریں آثار ائمہؑ

کے مطالعے اور تصفیہ و تزکیہ قلب میں گزری ہیں انہوں نے ان تمام مطالب کو انہی معصومین کے کلمات سے اخذ کیا ہے۔

چنانچہ ایک عالم بزرگوار محمد قطب الدین حسینی استاد بحر العلوم اپنے ایک مختصر رسالہ "روحیۂ قدسیہ" میں بیان کرتے ہیں۔

لمّا اقتضیٰ شانُ الالٰهیّة الجامعة بجمیع الکمالات بسطة مملکة الایجاد والرّحمة ونشر لواء للقدرة والحکمة ولقد کانت عزّة القدم بعیدة المناسبة عن ذلّة الحدوث فقضیٰ سبحانه بتخلّف نائب ینوب عنه فخلف خلیفةً له وجهٌ الی القدم یستمد به من الحقّ ووجهٌ الی الحدوث یمدّ به الخلق فخلع علیه جمیع اسمائه وانعم علیه کرائم آلائه وملّکه فی مسند الخلافة بالقاء مقادیر الامور الیه واحالة حکم الجمهور علیه وجعل بحکم اسمیه الظّاهر والباطن حقیقة باطنةً هی العقل الکلّی المسمّی بالقلم الاعلیٰ والرّوح الاعظم وصورةً ظاهرةً هی العالم الخ

جب شان الوہیت جامع جمیع کمالات کی شان کا اقتضا ہوا کہ مملکت ایجاد اور رحمت واسع کو پھیلا دے۔ قدرت اور حکمت کے پھریرے الوہیت کی ہوا میں اُڑیں۔ ادھر تو یہ اقتضا تھا اور اُدھر قدم ذاتی کی عزّت ذلّت حدوث سے کچھ بھی مناسبت نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا خالق عزّشانہٗ نے اپنا ایک نائب مقرر کیا اور ایک اپنا خلیفہ قرار دیا۔ جس کا ایک رُخ قدم کی جانب ہو جس سے وہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ سے استمداد کرے۔ اسکے فیوض کا اکتساب کرے۔ اور ایک رُخ اُسکا مخلوق کی جانب ہو جس سے وہ مخلوق کو حق سبحانہ وتعالےٰ کی طرف جذب کرے اور اُنہیں فیوضات الٰہیہ پہنچائے یعنی اس کے حدوث کی حد آخری قدم کی منزل سے متصل ہو۔ عرفی کہتا ہے ؎

تا مجمع امکان و وجوب نہ نوشتند	مورد متعین نہ شد اطلاق اعم را
تقدیر نشانید بیک ناقہ دو محمل	سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

پس خداوند عالم نے اپنے تمام اسما کا خلعت اُسے پہنایا اور کرائم نعمات سے اُسے متنعم کیا۔ اموراتکے اندازے اُسپر القا کیئے۔ جمہور کے احکام اس کی تحویل میں دیدیئے۔ اور چونکہ خداوند عالم کے دو اسم ظاہر و باطن بھی ہیں لہٰذا باقتضائے اسم "الباطن" ایک حقیقت باطنہ قرار دی۔ اسی کو عقل کلّ کہتے ہیں۔ اسی کا نام قلم اعلےٰ ہے۔ اور اسی کا نام

روح اعظم - اور اسم الظاہر کی بنا پر ایک صورت ظاہری قرار دی اور وہ صورت ظاہری یہی عالم ہے۔

اس عالم بصیر کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ روح اعظم اس عالم ظاہری کی حقیقت باطنی کا نام ہے اور اسی روح اعظم کا حامل خلیفۃ اللہ ہے۔ تمام اسمائے الٰہیہ کے خواص اس میں ہیں۔ تمام امور کے اندازے اور مقادیر اس پر القا ہو چکے ہیں اور تمام احکام اسکے سپرد کیے گئے ہیں واضح ہو کہ سطور مندرجۂ بالا اہلبیت طاہرین کے ارشادات کا خلاصہ ہیں۔ کسی کی ذاتی رائے ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائیگا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روح اعظم جو خلیفۃ اللہ قرار پائی تو اس طرح کہ تمام اسمائے الٰہیہ کے خلعت سے اسے مخلع کیا گیا۔ اور تمام مقادیر امور اس پر القا کیے گئے۔ اب فرمائیے۔ اسی القا کا نام وحی ہے یا وحی کچھ اور چیز ہے۔ ہاں یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ روح اعظم جسد نورانی سے جلوہ گر ہوگی تو اس وقت یہ کیفیت القائے مقادیر امور و تحویل احکام۔ جمہور اس سے سلب ہو جائیگی یا نورٌ علےٰ نور ہو کر اس کے کمالات دُگنی اور چوگنی روشنی دینگے۔ العجب ثم العجب۔ خلیفۃ اللہ اور وحی سے خالی۔ افسوس ہزار افسوس! ان چیزوں کے بیان کرنیوالے کو بآواز بلند ندا دینی چاہیے۔

بیاورید گر اینجا بود زباندانے غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

مولوی سید محمد سبطین صاحب مولف الصراط السوی نے بہت بڑا کیا جو ائمہؑ کو صاحب وحی و مہبط ملائکہ لکھدیا۔ ان بزرگواروں کی اتنی شان کہاں۔

مجھے ایک مسئلہ میں مدت سے پریشانی لاحق ہو رہی ہے۔ وہ یہ کہ اب شیعوں کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ ائمہؑ معصومین تمام انبیائے ماسبق سے خواہ وہ رسول ہوں یا اولوالعزم سوائے خاتم المرسلین افضل ہیں۔ یہ افضلیت آیا یونہی خوش اعتقادی کے ساتھ زبانی جمع خرچ ہے یا اس کی کچھ حقیقت بھی ہے۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ فضیلت عند العقل فضیلت علمی ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم ہے جس کا تعلق اکتساب سے ہے۔ اہل علم نے اگر علم اکتسابی کو علم کہا ہے تو مجازاً کہا ہے۔ ورنہ واقعاً یہ علم نہیں۔ علامہ مجلسی فرماتے ہیں۔

ليس العلم ما يحصل بالسماع وقراءات الكتب وحفظها فان ذلك تقليد۔ سننے اور کتابوں کے پڑھنے اور ان کے رٹ لینے سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ فی الحقیقت علم نہیں ہے۔ بلکہ تقلید ہے۔"

اب ایک علم کی دوسری شان ہے۔ یعنی علم وہبی۔ یہ علم وہبی حاصل نہیں ہوتا مگر وحی و الہام سے۔ پس جب وحی کی نفی ہو گئی تو گویا علم وہبی کی نفی ہو گئی۔ اور جب علم وہبی کی نفی ہو چکی تو انبیاء پر فضیلت یعنی چہ۔ یہ کونسا قانون عقل ہے۔ حکم قرآنی تو یہ ہے۔ هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون۔ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے کیا مساوی ہو سکتے ہیں۔ قرآن تو عالم و جاہل کو مساوات کی مسند پر قدم نہیں رکھنے دیتا۔ آپ فضیلت لئے پھرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان کا علم از روئے الہام ہے نہ کہ از روئے وحی۔ تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وحی و الہام حقیقت واحدہ رکھتے ہیں۔ اختلاف صرف مورد کا ہے۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول کا فرق ہے۔ مگر "وما يتذكر الا اولوا الالباب" صاحبان لب ہی اس حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ کی نسبت احادیث میں لفظ وحی نہیں آیا۔ تو یہ تحکم محض ہے۔ اور بالکل بے دلیل۔ جیسا کہ واضح ہو جائے گا۔

الغرض اس بیان سے ناظرین کو اس نتیجہ پر پہنچنا چاہیئے کہ روح القدس اور روح اعظم اپنے اپنے خواص رکھتی ہیں۔ اب دیکھیئے کہ ائمہ علیہم السلام میں یہ روح قدس یا روح اعظم موجود ہے یا نہیں؟ احادیث سے آپ کو ثابت ہو جائیگا کہ ضرور موجود ہیں۔

ان احادیث کے مطالعہ سے پہلے ایک امر ضرور ذہن نشین کر لیجیئے کہ ان میں روح القدس کا بھی ذکر ہے اور روح اعظم کا بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح اعظم جہاں پائی جائے گی وہاں روح القدس ضرور پائی جائیگی۔ اس لیئے کہ طبقۂ اعلےٰ طبقۂ ادنےٰ کے کمالات پر حاوی ہوا کرتا ہے۔

(حدیث نمبر ۱۔ اصول کافی) ذكر الارواح التى فى الائمة عليهم السلام۔ عن جابر عن ابى جعفر عليه السلام قال سالته عن علم العالم فقال لى يا جابر ان فى الانبياء والاوصياء

خمسة ارواح روح القدس وروح الایمان وروح الحیوٰة وروح القوة وروح الشھوة فبروح القدس یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی تحت الثریٰ ثم قال یا جابر ان ھذہ الاربعة ارواح تصیبھا الحدثان الا روح القدس فانھا لا تلھو ولا تلعب۔

جابر جعفی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جبکہ جابر نے عالم کے علم کی نسبت سوال کیا۔ اے جابر انبیاء اور اوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح القدس، روح الایمان۔ روح الحیات۔ روح القوت۔ روح الشہوت۔ پس اے جابر! روح القدس کے سبب سے وہ عرش سے لیکر تحت الثرٰے تک کے حالات جانتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے جابر! یہ باقی جو چار روحیں ہیں ان پر حوادث طاری ہوتے ہیں مگر روح القدس ان سے مستثنٰی ہے وہ لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتی۔

سبحان اللہ۔ اس حدیث میں کتنے اسرار ہیں۔ خصوصًا روح القدس کو "بری عن الحدثان" فرمانا کتنے اسرار کا جامع ہے۔ لیکن اس مقام پر ان چیزوں سے تعرض کرنے کا موقع نہیں مجملًا اتنا سمجھ لیجئے کہ جو روح القدس انبیاء میں جلوہ گر ہوتی ہے وہی اوصیاء میں بھی۔ اور جن کمالات کے ساتھ انبیاء میں آتی ہے انہی کمالات کے ساتھ اوصیاء میں۔ ائمہ علیہم السلام کو اوصیائے پیغمبر تو بلا اختلاف تسلیم کیا جارہا ہے۔ پھر انہیں حامل روح القدس کیونکر نہ سمجھا جائیگا۔ اور یہ ہم کہتے ہی چلے آرہے ہیں کہ حسب قاعدۂ فطری روح القدس بھی شعور فطری سے خالی نہیں۔ اور اسی شعور فطری کا نام وحی ہے۔ پس روح القدس کے لیئے بھی وحی لازمی ہے۔

(۲) عن المفضل بن عمر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ عن علم الامام بما فی اقطار الارض و ھو فی بیتہ مرخی علیہ سترہ فقال یا مفضل ان اللہ تبارک وتعالیٰ جعل فی النبی علیہ السلام خمسة ارواح روح الحیوٰة فیہ دب ودرج و روح القوة فیہ نھض و جھاد وروح الشھوة فیہ اکل وشرب واتی النساء من الحلال وروح الایمان فیہ امن و عدل وروح القدس فیہ حمل النبوة فاذا قبض النبی علیہ السلام انتقل روح القدس فصار الی الامام وروح القدس لا ینام ولا یغفل ولا یلھو ولا یزھو والاربعة الارواح فتنام و تغفل وتلھو وتزھو وروح القدس کان یریٰ بہ (منہ)

مفضلّ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السّلام سے سوال کیا کہ امام اپنے گھر میں ہوتا ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ایسی حالت میں اطراف زمین کا علم امام کو کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا اے مفضّل واقعہ یہ ہے کہ خداوند جل وعلا نے حضرت پیغمبر علیہ السّلام میں پانچ روحیں قرار دیں۔ روح الحیات جس کے سبب سے چلنا پھرنا ہوتا ہے۔ روح القوت جس کے سبب سے پیغمبر کھڑا ہوا اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ روح الشہوت جسکے متعلق اکل و شرب ہے اور بطریق حلال عورتوں کے پاس جانا۔ روح الایمان اس میں امن اور میانہ روی ہے۔ روح القدس جس میں برداشت نبوت ہے پس جبکہ نبی علیہ السّلام نے انتقال فرمایا تو روح القدس منتقل ہوکر امام کی طرف آئی۔ اور یہ روح القدس نہ سوتی ہے نہ غافل ہوتی ہے نہ اسے لہو ولعب سے تعلق ہے نہ عجب وتکبر ہے۔ اور باقی ارواح سوتی بھی ہیں۔ غافل بھی ہوتی ہیں۔ لہو ولعب میں بھی شامل ہوجاتی ہیں۔ اور فخر وافتخار بھی کیا کرتی ہیں۔ اب امام جو کچھ دیکھتا ہے روح القدس کے ساتھ دیکھتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث بیشمار ہیں۔ اور تعجب ہے کہ اب اس امر پر استعجاب ظاہر کیا جاتا ہے کہ امام سے روح القدس کا تعلق ہوگیا۔ حالانکہ امام زیادہ سے زیادہ ایسا ہی ہوسکتا ہے جیسے کہ ایک اچھا پڑھا لکھا آدمی اور بس۔

واضح ہو کہ مُلّا خلیل قزوینی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے روح القدس کی نسبت یہ فقرہ لکھا ہے "دیگرے روح القدس کہ نوعے از فہم وحفظ وعقل است"۔ یعنی روح القدس کو فہم وحفظ کی اقسام میں داخل کیا ہے۔ مگر یہ شرح متن حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ اس فاضل نے روح القدس کو بہت سطحی نظر سے دیکھا ہے۔

یہ احادیث اس لیئے بیان کی گئیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ائمہ معصومین علیہم السّلام روح القدس کے حامل ہیں۔ اب آئیے روح اعظم کی طرف اور اس کا جلوہ وجود امام میں ملاحظہ فرمایئے

سالت اباعبداللہ علیہ السّلام عن قول اللہ تبارک وتعالیٰ وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان قال خلق من خلق اللہ عزوجل اعظم من جبرئیل ومیکائیل علیہما السّلام کان مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یخبرہ و

بسدّدہ وھو مع الائمّة من بعدہ۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السّلام سے آیۂ مبارکہ وکذلک اوحینا الخ کی نسبت سوال کیا (یعنی یہ روح جو پیغمبرؐ پر وحی کی گئی ہے کیا چیز ہے؟) آپ نے فرمایا کہ یہ مخلوقاتِ الٰہی میں ایک مخلوق ہے اور جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہے۔ یہ روح رسول اللہ کے ساتھ تھی جو انہیں (کل امور سے) خبردار کرتی تھی۔ انکو مستقیم رکھتی تھی اور بعد رسول اللہ وہی روح ائمہؑ کے ساتھ ہے۔

ایضاً۔ عن اسباط ابن سالم قال سالہ رجل من اھل بیتٍ وانا حاضرٌ عن قول اللہ عزّ وجل وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا فقال منذ انزل اللہ عزّ وجل ذٰلک الرّوح علیٰ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ ما صعد الی السّمآء وانّہ لفینا۔

اسباط ابن سالم سے مروی ہے کہ اہلبیتؑ میں سے ایک شخص نے معصوم (حضرت صادق علیہ السّلام یا حضرت موسیٰ کاظم علیہ السّلام) سے قولِ خداوندی وکذلک اوحینا کی نسبت سوال کیا (یعنی اب یہ روح کہاں ہے؟) آپ نے فرمایا جب سے اسے خدا نے محمدؐ پر نازل فرمایا ہے اُس نے آسمان کی طرف صعود نہیں کیا۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام عن قول اللہ عزّ وجل یسئلونک عن الرّوح قل الرّوح من امر ربّی قال خلق اعظم من جبرئیل ومیکائیل کان مع الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وھو مع الائمّة وھو من الملکوت۔

حضرت صادق علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ آیۂ یسئلونک عن الرّوح میں روح سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے عظیم تر ہے۔ وہ رسول اللہ کے ساتھ تھی اور اب وہ ائمہؑ کے ساتھ ہے اور یہی ملکوت و حقیقت ملکوت ہے۔

یہ تمام احادیث ظاہر کر رہی ہیں کہ روح اعظم جس کا اور پیغمبروں سے تعلق نہ تھا۔ بلکہ یہ حقیقت محمدیہ ہے۔ اور محمدؐ کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور یہی حقیقت ائمہ میں جلوہ گر ہوئی۔ اوّلنا محمّد واٰخرنا محمّد واوسطنا محمّد مشہور و معروف ہے۔

واضح ہو کہ اس روح کی نسبت پیغمبر سے بطریق وحی ہے جیسے کہ لفظ قرآنی "اوحینا"

سے ظاہر ہے۔ اب امام سے جو یہ روح منسوب ہوئی اس نسبت کے لیئے کونسا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ اگر یہاں وہی لفظ وحی سالم رکھا جائے تو کونسا رکن دین برباد ہو جائے گا! اور کس خطا پر ائمہ علیہم السّلام وحی سے الگ کیئے جا رہے ہیں۔ اور انکی نسبت لفظ وحی کا اطلاق خارج از اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ خدا جانے یہ کونسا اسلام ہے اور خود اس مصنوعی اسلام کو اسلام سے کہاں تک تعلق ہے۔

بحث کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے کہ ائمہ علیہم السّلام کو صاحب علم لدنیؑ ماننے میں تو کسی کو انکار نہیں۔ اب دیکھیئے اس علم لدنیؑ کے حصول کے طریقے کیا ہیں اور اس کے حصول کی صورتیں کیا ہیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔ ماکان لبشر ان یکلمہ اللّٰہ الا وحیا او من ورای حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشآء۔

کسی بشر کے لیئے سزاوار نہیں ہے کہ خداوند عالم اُس سے کلام کرے مگر یہ کہ یا تو وہ وحی کرتا ہے (یعنی اندرینصورت اس کے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا) یا پس پردہ سے (اندریں صورت خدا اور بندے کے درمیان ایک حجاب ہوتا ہے۔ یہ وحی کا دوسرا درجہ ہے) اور یا قاصد بھیجکر۔ پس وہ قاصد اس کی مشیت کے موافق اسکے اذن سے وحی کرتا ہے۔

مفہوم آیت ظاہر ہی ہے کہ فیوض الٰہیّہ الٰہی تین طریقوں سے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ تینوں طریقے اقسام وحی میں داخل ہیں۔ پس اب یا تو ائمہ علیہم السّلام سے فیوض الٰہیہ کے انقطاع کا دعوٰے کرنا چاہیئے والّا سوائے اسکے چارہ نہیں ہے کہ انہیں صاحب وحی تسلیم کرلینا پڑیگا حتماً و یقیناً اہل ایمان تو اسی پر کاربند ہونگے۔ باقی اوہام و قیاسات کا نام اگر دین رکھا گیا ہے تو یہ دوسری بات ہے۔

منکرین وحی کو چاہیئے کہ اس انکار کے دلائل عقلی و نقلی پیش کریں۔ خالی یہ کہدینے سے کہ فلاں بات "خلاف" ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ یہ مضمون ٹھیک نہیں۔ اب اس قسم کے اقوال سے کام نہیں چلیگا۔

انکا وحی کرنیوالے صاحب نے یہ بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ روح بنوتی کے لئے آیہ اوحینا الیک سے استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ اس میں روح سے یا قرآن مراد ہے یا جبرئیلؑ۔ اس پر کچھ استبعادات عقلیہ بھی لکھے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عوام نے تو جہاں کہیں قرآن میں روح کا لفظ دیکھا ہے وہیں بیچارے جبرئیلؑ کا دامن پکڑ لیا ہے۔ مگر افسوس ہی کہ اب شیعہ بھی اسی دام میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ کیا انکو برائے نام شیعہ کہنا زیبا نہ ہوگا؟ استبعادات عقلیہ کی حقیقت تو اکثر دفعہ کھُل چکی ہے۔ اور معقولات میں جتنا کچھ پایہ ہے وہ بھی روشن ہو چکا ہے۔ لیکن ہم مختصراً اتنا کہنے پر مجبور ہیں کہ باب علوم الٰہی نے ایسے شخصوں کو ضال و مضل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(اصول کافی) اتیٰ رجلٌ امیر المؤمنین علیہ السّلام یسئالہٗ عن الرّوح الیس ھو جبرئیل فقال لہ امیر المؤمنین علیہ السّلام جبرئیل علیہ السّلام من الملائکۃ والرّوح غیر جبرئیل فکرّر ذٰلک علی الرّجل فقال لہ لقد قلت شیئاً عظیما من القول ما احد یزعم عن الرّوح غیر جبرئیل فقال لہ امیر المؤمنین علیہ السّلام انک ضالٌ وتروی عن اھل الضلال یقول اللہ عزّ وجلّ لنبیّہ "اتیٰ امر اللہ فلا تستعجلوہ سبحانہ وتعالیٰ عمّا یشرکون ینزل الملائکۃ بالرّوح من امرہ علیٰ من یشآء من عبادہ" فالروح غیر الملائکۃ۔

ایک شخص امیر المومنینؑ کی خدمت میں آیا اور اُس نے روح کی بابت سوال کیا کہ کیا وہ جبرئیلؑ نہیں ہے؟ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ ملائکہ میں سے ہیں۔ اور روح غیر جبرئیلؑ ہے۔ حضرتؑ نے مکرر یہی فرمایا۔ اس وقت وہ شخص کہنے لگا کہ آپ تو بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو روح کو جبرئیلؑ کے علاوہ کوئی اور چیز سمجھتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تو گمراہ ہے اور گمراہوں سے روایت کرتا ہے۔ خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ سے ارشاد فرمایا کہ امر خدا آ گیا۔ (ان لوگوں سے کہو کہ) تم بے صبر نہ بنو۔ خداوند عالم اس سے منزہ ہے کہ کوئی اُسکا شریک ہو۔ وہ ملائکہ کو روح کے ساتھ جو اسکے عالم امر سے ہے اپنے جس بندے پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ تاکہ وہ روز قیامت سے ڈرائے۔ پس روح غیر ملائکہ ہی۔ اس ارشاد نے بالکل مطلع صاف کر دیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ جو لوگ روح کو جبرئیلؑ

سمجھ رہے ہیں وہ اہل ضلال سے روایتیں لیتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہیں۔
یہ ایک عجیب راز ہے جو دیکھنے میں آرہا ہے کہ جو شخص مخالفت ائمہ میں قلم اٹھاتے ہیں اور دوستی کے پردے میں ان بزرگواروں کی دشمنی کا حق ادا کرتے ہیں انہیں ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ پھر ہزار سنبھلنے پر بھی سنبھل نہیں سکتے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جس روح کا قرآن میں ذکر ہے جس کی وحی پیغمبرؐ کی طرف ہوئی۔ اسکی نسبت بڑے طمطراق کا دعوےٰ ہوا تھا کہ اس سے مراد جبرئیلؑ ہیں یا قرآن۔ انکی تحقیق کی یہ انتہائی منزل تھی۔ مگر افسوس ہے کہ کدوکاوش میں سوائے ضلالت کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور بابِ علوم لاتناہیہ کی زبانی ضال و راوئ اہل ضلال بن بیٹھے۔

نزول ملائکہ پر امامؑ۔ اس زمانے کے تماشے بھی عجیب و غریب ہیں۔ امامؑ سے وحی کی بھی نفی ہو رہی ہے اور نزول ملائکہ سے بھی انکار کیا جا رہا ہے۔

ہم اہل ایمان کے سامنے بہت اختصار سے یہ بحث پیش کرتے ہیں اور التماس کرتے ہیں کہ ائمۂ معصومین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو حکم دیا ہے کہ تم دشمن (جو ہمارے فضائل کا منکر ہو) سے بحث کرتے ہوئے سورۂ انّا انزلناہ کو پیش کرو۔ معلوم ہوا کہ یہ سورہ ہمارے فضائل محمدؐ و آل محمدؐ کا معدن ہے۔ اسی سورے میں یہ آیت بھی موجود ہے تنزل الملائکۃ والرّوح فیھا باذن ربھم من کل امر یعنی شب قدر میں ملائکہ اور روح اپنے پروردگار کے اذن سے ہر امر الٰہی لیکر نازل ہوتے ہیں۔

اس آیت کے مفہوم کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اتنا تو ہر ذی فہم جانتا ہے کہ ملائکہ اور روح شب قدر میں نازل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس مقام پر نازل ہوتے ہیں کیونکہ ضرور ہے کہ ہر ایک نزول کے لیئے کوئی منزل ہونی چاہیئے قمیؒ علیہ الرحمہ سے صاحب صافی نقل کرتے ہیں۔

قال تنزل الملائکۃ وروح القدس علی امام الزمان ویدفعون الیہ ما قد کتبوہ۔ یعنی ملائکہ اور روح القدس امامؑ پر نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ خدمت امامؑ میں پیش کرتے ہیں۔

علامہ قمی کا یہ قول محض اُن کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ احادیث طاہرین میں یہ مضمون بکثرت موجود ہے۔ اسی آیت سے ائمہؑ پر ملائکہ اور روح کا نازل ہونا مشرح طور سے ثابت ہے۔ جب یہ ثابت ہے تو وحی تو اس کے ساتھ ہی ثابت ہو گئی۔ کیونکہ ملائکہ کا آنا بھی وحی کی ایک قسم ہے۔

واضح رہے کہ اہل ایمان کے نزدیک یہ ملائکہ امام کو تعلیم دینے نہیں آتے بلکہ اپنے کاروبار کی نسبت حکم لینے کے لیئے آتے ہیں۔ اس لیئے کہ امام قطب ماسوے اللہ ہوتا ہے۔ تمام عالم کے کاروبار اسی کے حکم کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ فرشتے اس قطب ماسوے اللہ کے خدام ہیں جنہیں شب قدر میں دربار امامت سے ہدایتیں مل جاتی ہیں۔

ملائکہ کا خدمت امام میں حاضر ہونا اس کثرت سے کتب شیعہ میں موجود ہے جس کا احصا دشوار ہے۔ اور ملائکہ نہیں۔ ملائکہ مقربین اس دروازے کی حاضری پر فخر کرتے ہیں جبرئیلؑ کو روح الامین کا خطاب روحِ اعظم سے ہی متوسل ہونے پر عطا ہوا ہے۔ ع۔ جمال ہمنشیں درمن اثر کرد۔

خدا جانے لوگ کس خیال میں ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال میں امام کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ کیا شان امامت کو انہوں نے اپنے مختصر دماغ میں محصور کر لینے کا ارادہ کیا ہے۔

کتاب الٰہی میں دو قسم کے ائمہ کا ذکر ہے جیسے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ ایک وہ امام ہیں جو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو آتش جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ اب سوال ہے کہ ائمۂ اہلبیت علیہم السّلام کو کونسی صنف میں داخل کیا جائیگا۔ اہل ایمان کو ضرور کہنا پڑیگا کہ یہ بزرگوار قسم اوّل میں داخل ہیں۔ یہی ہادیان برحق۔ بلکہ انہی کے گھر سے کل ماسوے اللہ کو ہدایت تقسیم ہوئی ہے۔ جب یہ بات ہے تو پھر تو یہ بزرگوار حسب نص قرآنی ضرور صاحب وحی ہیں کیونکہ خداوند عالم ایسے ائمہ کی شان یہ بیان کرتا ہے۔

وجعلناھم ائمۃً یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین۔

ہم نے انکو امام بنایا وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے انکی جانب امور خیرات واقامت نماز وایتاءِ زکوٰۃ کی وحی کی۔ اور یہ ہمارے اطاعت گزار بندے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ائمہ جو ہادی الے الحق ہوتے ہیں ان کے جملہ افعال ماتحت وحی الٰہی ہوا کرتے ہیں خوش فہم حضرات نے اس آیت کا تعلق بھی ائمۂ اہلبیت سے قطع کرنا چاہا ہے۔ اور کہدیا ہے کہ یہ تو انبیائے بنی اسرائیل کی شان میں ہے۔ ائمۂ اہلبیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ ائمہ نے اسی آیت سے اپنے فضائل پر استدلال فرمایا ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں اسی آیت کے ماتحت کئی حدیثیں معصوم سے درج ہیں۔ جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ائمہ کو اس آیت سے کیا تعلق ہے۔ اس وقت تفسیر مذکور موجود نہیں ہے ورنہ تمام احادیث نقل کردی جاتیں۔

مشکل تو یہ ہے کہ منکرین وحی شانِ نزول کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ ان کے اقوال سے تو شان نزول کے یہ معنی مفہوم ہوتے ہیں کہ بس وہیں تک آیت محدود ہو کر رہ گئی۔ اس سے آگے اسکا مضمون ترقی کر ہی نہیں سکتا۔ اگر یہ منطق صحیح ہے تو بہت سے حصۂ قرآن سے دست بردار ہونا پڑیگا۔

تتمۂ بحث وحی۔ وحی کے متعلق ہمارے خیال میں جو کچھ لکھا گیا وہ بہت کافی ہے اس سے اہل ایمان سمجھ جائیں گے کہ وحی کی امام سے نفی کرنا عدم تدبر پر مبنی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کہا جا سکتا ہے تو یہ کہ جن احادیث میں نفی وحی کے اشارات ہیں ان سے وحی تنزیلی قرآنی مراد ہے۔ نہ کہ مطلق وحی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وحی والہام بلحاظ حقیقت ایک ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق بلحاظ مواد ہے۔

وہ طریقے جن سے منجانب اللہ قلب امام پر علوم کا افاضہ ہوتا ہے احادیث میں ان کا ذکر موجود ہے۔ ہر شب جمعہ کو روح امام عرش اعظم کا طواف کرتی ہے۔ اور پھر علم کثیر لیکر واپس ہوتی ہے۔ اہل نظر سوچیں کہ یہ حصول علم کس طریقہ سے ہوتا ہے اور اس طریقہ کو وحی سے الگ کیونکر کیا جائیگا۔

ایک صاحب اس سلسلۂ حقائق ومعارف کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں عقائد شیعہ پر

حملے کیئے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جس مضمون میں ائمہ کے مناقب بیان کیے جائیں گے وہ آجکل کے شیعوں کے عقائد پر ایسا حملہ ہوگا جس کی کوئی تلافی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ ایک ایسا زخم شیعوں کے دلوں پر لگیگا جسکا اندمال کسی طرح ممکن نہیں۔ معلوم نہیں انکی غیرت ایمانی کہاں اُڑ گئی۔ منقصت ائمہ میں رسالے کے رسالے شائع کرو کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا۔ ہاں ائمہ کی تعریف و توصیف کا اگر اعلان کرو تو بہت سے حشرات الارض ایسی عجیب و غریب آوازیں نکالیں گے جو صورت حمار سے بھی زیادہ مکروہ ہونگی۔ جو قوم اپنے علم و عمل سے دور جا پڑی ہو اُس کا یہی حشر ہوتا ہے۔ یہ رفتہ رفتہ سب اپنے مرکز اصلی پر پلٹتے جا رہے ہیں۔ وہ دن آنیوالا ہے جب شیعوں کی طرف سے ناصبیت کا اعلان ہوگا۔ جراثیم ناصبیت تو خون میں پیوست ہو چکے ہیں مگر ابھی عصبیت آبائی روکے ہوئے ہے۔ خیر۔

اب ہم ایک دوسری بحث شروع کرتے ہیں جس سے ارباب مذاق سلیم کی آنکھیں روشن ہونگی۔ اور دشمنان امامت کے ہفوات کا اسی میں جواب آجائیگا۔

مظاہر الٰہیہ ۔ جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عام طور پر مظہر العجائب و الغرائب کہا جاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس لفظ کے قائل سمجھ کر نہیں کہتے۔ اگر اسی لفظ کے معنی یہ سمجھ جائیں تو پھر ان کو شان امامت میں کبھی خدشہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ خدا وند عالم صورت سے مبرّا۔ شکل سے منزّہ۔ نہ خیالات میں اسکی گنجائش نہ اوہام میں۔ نہ عقول اس کو گھیر سکتی ہیں نہ تخیل اسکا احاطہ کر سکتا ہے۔ لیکن باوجود اسکے بھی شان جلال و جمال کا اقتضائے حکمت ظہور ہے۔ اس نے اس عالم کو خلق فرمایا اور اپنے کمالات کا آئینہ بنایا۔ ہر چیز اس کے جمال جہاں آرا کا آئینہ ہے۔ اور ہر ذرہ ذرہ اسکی قدرت کاملہ کا مظہر۔ یہاں تک تو بالکل سیدھا مسئلہ ہے۔ کسی کو اختلاف کرنیکا موقعہ نہیں۔ اب ہم اس بحث میں نہیں اُلجھتے کہ وہ ذات جس کا ان مظاہر سے ظہور ہو رہا ہے اُسکا یہ ظہور کس حیثیت سے ہے۔ یہ مقام بیحد نازک ہے اور ذرا سی لغزش میں انسان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

جب اتنا معلوم ہو گیا کہ اشیائے عالم اس کا مظہر ہیں جسکا دوسرا نام صورت بھی ہے تو

اب اندازہ کرو کہ اشیاء باہم مختلف و متفاوت ہیں۔ کوئی ادنےٰ ہے کوئی اعلےٰ۔ کوئی اعلےٰ سے اعلےٰ۔ پس اسی تفاوت و اختلاف کی بنا پر ہر چیز جو اسکا مظہر ہوگی اپنی ہی حیثیت کے لحاظ سے ہوگی۔ ہاں اس اختلاف کا منشا بھی اہل بصیرت کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے اسمائے لامتناہی کا مقتضا ہے کہ ہر ایک اسم کے لیئے ایک مظہر ہونا چاہیئے۔ تاکہ اس اسم کا اثر اس مظہر میں ظہور کرے۔ اور اس طرح سے اس مظہر میں ایک توحید پرست کو مسمےٰ کی جلوہ گری نظر آئے۔

ضرورت مظہر کی مثال یہ ہے کہ حق تعالےٰ عز شانہ کے اسماء مثلاً الرحمٰن۔ الرزاق۔ القہار ہیں۔ تو اب جب تک خارج میں راحم و مرحوم کا وجود نہ ہوگا رحمانیت ظاہر نہ ہوگی۔ اسی طرح رزاق و مرزوق و قاہر و مقہور جب تک وجود خارجی نہ رکھتے ہونگے ان اسماء کا ظہور نہ ہوگا۔ پس جس طرح خدا کے ان اسماء کے مظاہر کی ضرورت ہے اسی طرح اسم "اللہ" جو تمام اسماء پر حاوی ہے اور تمام اسماء اس کے ماتحت ہیں۔ وہ بھی ایک مظہر چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے یہ اسم تمام اسماء پر حاوی ہے اسی طرح اسکا مظہر بھی تمام مظاہر پر حاوی ہوگا۔ اسی کو مظہر کل اور مظہر اتم کہتے ہیں۔ یہ مظہر بلحاظ جامعیت کمالات اسی اسم جامع سے مناسبت رکھتا ہوگا۔ اور اسی مناسبت کے لحاظ سے وہ فیض الوہیت ماسوے اللہ تک پہنچائیگا۔ یہی اُسکا خلیفہ ہوگا۔ اسی مظہر جامع کا نام انسان کامل ہے۔ یہی انوار الٰہیہ کا خزانہ ہے۔ یہی لامتناہی فیوض کا حامل ہے۔ کل وجود کا مخزن یہی ہے۔ اور تمام خزائن جود و کرم کی کُنجیاں اسی کے ہاتھ میں۔ یہی انسان کامل فوق المخلوق اور تحت الخالق ہے۔

یہی انسان کامل اور ہستی جامع کل عوالم کے کمالات پر قبضہ کیئے ہوئے ہے۔ یہی مظہر ذات ہے۔ یہی مظہر صفات و اسماء ہے۔ یہی مظہر افعال ہے۔ یہی حقائق وجوبیہ کا جامع ہے۔ یہی حقائق امکانیہ کا مالک ہے۔ یہی مرتبۂ جمع اور مرتبۂ تفصیل دونوں کی شان لیئے ہوئے ہے۔ اور سلسلۂ وجودیہ میں جتنے مراتب ہیں سب پر یہی محیط ہے۔

اب اس مظہر اتم و جامع کے کمالات سُنو۔ قال بعض العارفین فھو للحق سبحانہ بمنزلۃ انسان العین من العین الذی بہ یکون النظر وھو المعتبر عنہ بالبصر الذی یبصر بہ الشیٔ

ویونس ولھذا اسمیٰ انسانا فبالانسان نظر الحق الی خلقه فرحمھم ومن مزیته او وصل الوجود - والفیض الیھم ھوالحادث الازلی والنشاء الدائم الابدی کما ورد فی الحدیث النبوی نحن الاٰخرون السابقون۔

یہ مظہر اتم خداوند جل وعلا کے لیئے بمنزلہ عین ہوتا ہے وہ عین (چشم) جس سے نظر ڈالی جاتی ہے اسی کو بصر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ بصر جس سے کوئی شے دیکھی جاتی ہے اسی کے سبب سے (خدا سے) انس پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیئے اس کو انسان کہا گیا ہے۔ اسی انسان کے سبب سے خدا نے اپنی مخلوق پر رحمت کی نظر ڈالی اور اسی کی شرافت کا کامل لحاظ کرتے ہوئے مخلوق کو خلعت وجود عطا ہوا۔ اور فیض الٰہی ان تک پہنچا۔ یہ انسان حادث ہے۔ مگر حادث ازلی۔ یہ وہ مخلوق جامع کمالات ہے جو دائم اور ابدی ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہوا ہے۔ ہم وہ آخر ہیں جو سب سے سبقت لئے ہوئے ہیں۔ یعنی اوّل بھی ہم ہیں اور آخر بھی ہم۔ جیسا کہ دیگر احادیث میں آیا ہے نحن الاوّلون ونحن الاٰخرون۔

تدبیر عالم

یہ مظہر اتم اور انسان کامل جس پر حدوث کی نظر ازلیت کے پہلو لیئے ہوئے پڑ رہی ہے۔ اس عالم کی روح ہی ہے اور تمام عالم اس کے لیئے ایک جسم واحد جس طرح روح اپنے تصرفات بدن انسانی میں کر رہی ہے اسی طرح یہ روح اعظم تمام ماسوے اللہ پر متصرف ہے۔ یوں سمجھو کہ تجلیاتِ حق سبحانہ تعالےٰ کی تڑپتی ہوئی بجلیاں انسان کامل کے آئینۂ قلب پر وارد ہوتی ہیں اور ان انوار کا عکس تمام عالم پر گرتا ہے اور اس طرح تمام عالم کی تدبیر اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اسی کے دم سے عالم کا وجود ہے۔ اور اسی کی برکت سے زمانے کی مشین حرکت کر رہی ہے۔ اسی کو ولایت حقیقی کہتے ہیں۔ اور یہ مدبّر عالم اسی تدبیر و تصرّف کو جب ہم جیسے نابینا لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے تو ہم اسے معجزہ کہتے ہیں یہی مدبّر عالم برزخ کبریٰ ہے درمیان دریائے وجوب و بحر امکان۔ مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان۔ قال مولانا الصادق علیه السلام نحن صنائع الله والناس بعد صنائع لنا۔ ہم خدا کی صنعتیں ہیں اور ہمارے بعد باقی مخلوق ہمارے لیئے صنعت ہے۔ پس مخلوق کو جس قدر فیض پہنچتا ہے اسی چشمۂ کمال سے پہنچتا ہے۔ اسی لیئے اس چشمۂ کمال کا انکار کرنا

کفر محض ہے۔ یہی وہ راز ہے جو تمام انبیا و اوصیا پر ظاہر کیا گیا۔ سب سے اسکا اقرار لیا گیا۔ تمامی مخلوق پر ان کی ولایت عرض کی گئی۔ من انکر خاب۔ جس جس نے انکار کیا وہ خائب و خاسر ہوا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے نقصان میں مبتلا ہوا۔

یہی راز تربیت ہے جسے حدیث قدسی میں ظاہر فرمایا گیا۔ یا محمدؐ بعثت علیاً مع الانبیاء باطناً و معک ظاھراً۔ اے پیغمبرؐ! میں نے علیؑ کو تمام انبیاء کے ہمراہ باطنی طور پر مبعوث کیا اور تیرے ساتھ ظاہر بظاہر۔ گویا امر رسالت انبیائے ماسلف کی تدبیر علیؑ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ جو کچھ فیض انکو پہنچا علیؑ ہی کے وسیلے سے پہنچا۔

یہ مظہر جامع۔ یہ مدبر عالم۔ یہ انسان کامل۔ اوّل بھی ہے۔ آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے۔ باطن بھی۔ مناسب ہے کہ اسکے مقامات نورانیہ کا بیان اسی کی زبان سے سنیئے۔

فی حدیث سلمان وابی ذر۔ یا سلمان لا یکمل المؤمن ایمانہ حتّٰی یعرفنی بالنورانیۃ واذا عرفنی بذٰلک فھو مومن امتحن اللہ قلبہ للایمان وشرح صدرہ الاسلام وصار عارفاً بدینہ مستبصرا ومن قصر عن ذٰلک فھو شاک مرتاب یا سلمان یا جندب انّ معرفتی بالنورانیۃ معرفۃ اللہ ومعرفۃ اللہ معرفتی وھو الدّین الخالص ثم قال یا سلمان ویا جندب ان اللہ جعلنی امینہ علیٰ خلقہ وخلیفتہ فی ارضہ وبلادہ وعبادہ واعطانی مالم یصفہ الواصفون ولا یعرفہ العارفون فاذا عرفتمونی ھکذا فانتم مؤمنون ثم قال یا سلمان نحن سرّ اللہ الّذی لا یخفی ونورہ الّذی لا یطفی ونعمتہ الّتی لا تجزی اوّلنا محمّد واوسطنا محمّد واٰخرنا محمّد وکلّنا محمّد فمن عرفنا فقد استکمل الدّین القیم ثم قال بعد کلام طویل یا سلمان بنا شرف کلّ مبعوث فلا تدعونا اربابا وقولوا فینا ماشئتم ففینا ھلک من ھلک وبنا نجا من نجی یا سلمان من اٰمن بما قلت وشرحت فھو مومن امتحن اللہ قلبہ للایمان ورضی اللہ عنہ ومن شک وارتاب فھو ناصب وان ادعٰی ولایتی فھو کاذب یا سلمان انا والھداۃ من اھل بیتی سرّ اللہ المکنون واولیائہ المقربون کلّنا واحدٌ وامرنا واحدٌ وسرّنا واحدٌ فلا تفرقوا فینا فتھلکوا فانّا نظھر فی کلّ زمان لما شاء الرّحمٰن فالویل کلّ الویل لمن انکر ولا ینکرہ الا اھل الغباوۃ ومن ختم علیٰ قلبہ وسمعہ وجعل علیٰ بصرہ غشاوۃ۔

(ترجمہ) اے سلمان! مومن کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ مجھے نورانیت کے ساتھ نہ پہچانے۔ اور جب اُس نے نورانیت کے ساتھ مجھے پہچان لیا تو وہ مومن ہے جس کے قلب کا خدا نے ایمان کے ساتھ امتحان لے لیا اور اسکا سینہ اسلام کے لیئے کھولدیا۔ وہ اپنے دین میں عارف اور مستبصر ہو گیا۔ اور جو شخص اس سے قاصر رہا وہ شک کرنے والا ہے۔ اور شبہات شیطانیہ میں گرفتار۔ اے سلمان! اے جندب! نورانیت کے ساتھ میری معرفت خدا کی معرفت ہے اور خدا کی معرفت میری معرفت۔ یہی دین خالص ہے۔ پھر فرمایا اے سلمان و اے جندب خداوند عالم نے مجھے اپنی خلق کا امین قرار دیا ہے۔ اپنی زمین میں اپنے شہروں میں۔ اپنے بندوں پر اپنا خلیفہ گردانا ہے۔ مجھے وہ چیزیں خدا نے عطا کی ہیں جن کا وصف کرنے والے وصف نہیں کر سکتے۔ نہ عارفین انہیں جان سکتے ہیں۔ پس جب تم نے اس طرح مجھے پہچانا اس وقت تم مومن ہو۔ پھر فرمایا اے سلمان! ہم خدا کا بھید ہیں جو چھپایا نہیں جا سکتا۔ ہم خدا کا نور ہیں جو بجھایا نہیں جا سکتا۔ ہم وہ خدا کی نعمت ہیں جس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا اول بھی محمدؐ ہے۔ آخر بھی محمدؐ ہے اور اوسط بھی محمدؐ ہے۔ جس نے اس طرح ہمیں پہچانا اُس نے اپنا دین قیم کامل کر لیا۔ پھر ایک کلام طویل کے بعد فرمایا۔ اے سلمان! ہر پیغمبر نے ہمارے ہی سبب سے شرف حاصل کیا ہے۔ تم ہمیں خدا نہ کہو اور پھر ہمارے بارے میں جو چاہو کہو۔ جو ہلاک ہوا ہے ہمارے ہی بارے میں ہلاک ہوا ہے۔ اور جس نے نجات پائی ہے ہمارے ہی سبب سے پائی ہے۔ اے سلمان! جو کچھ میں نے کہا اور شرح کی جو شخص اس پر ایمان لے آیا وہ مومن ہے۔ جس کے قلب کا امتحان خدا نے ایمان کے ساتھ لے لیا۔ خدا اس سے راضی ہو گیا اور جس نے شک و شبہات کو دخل دیا وہ ناصبی ہے۔ اگرچہ ہماری ولایت کا دعوے کرے۔ وہ بیشک جھوٹا ہے۔ اے سلمان! میں اور وہ ہادی جو میرے اہلبیت سے ہیں ہم خدا کے سر مکنون ہیں۔ اس کے اولیائے مقرب ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ ہمارا امر ایک ہے۔ ہمارا سر ایک ہے۔ ہم میں تفرقہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ہم ہر زمانے میں حسب مشیت رحمانی ظاہر ہونگے۔ ویل اور بالکل ویل ہے اُس شخص کے لیئے جو اس قول کا انکار کرے۔ اور کوئی شخص اسکا انکار نہیں کرتا۔ مگر وہی جو غبی و احمق ہے۔ جسکے قلب پر۔

کانوں پر مُہر لگی ہوئی ہے جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

صاحبانِ عقل پر روشن ہے کہ مظہر جامع و اتم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ ہیں۔ جتنے کمالات ذات احدیت میں مانے جائیں گے ان سب کا ظہور اسی ذات مقدس سے ہوگا۔ فی الحقیقت یہی خلافت حقۂ الٰہیہ ہے۔ خدا کی جانشینی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا انا مدینۃ العلم و علیّ بابھا۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ۔ جتنے کمالات ذات احمدی میں ہیں وہ سب کے سب ذات علیؑ سے ظاہر ہوئے۔ بلکہ ہر امام کی یہی شان ہے حقیقت واحدہ ہے کہ جس کا طلوع مرایائے مختلفہ سے ہو رہا ہے۔ فی الحقیقت۔ نور یشرق من صبح الازل فیلوح علیٰ ھیاکل التوحید آثارہ۔ حقیقت ایک نور ہے جو صبح اوّل سے چمکا اور توحید کے مجسموں پر اسکے آثار روشن و لائح ہو گئے۔ اسی مظہریت کے اعتبار سے انکو ید اللہ کہا جاتا ہے۔ جنب اللہ کہا جاتا ہے نفس اللہ کہا جاتا ہے۔ روح اللہ کہا جاتا ہے۔

قال العارف الکامل المحقق الطوسی العارف اذا انقطع عن نفسه واتصّل بالحقّ رأی کلّ قدرۃ مستغرقۃ فی قدرته المتعلقۃ بجمیع المقدورات وکلّ علم مستغرقا فی علمه الّذی لا یعزب عنه شیٔ من الموجودات وکلّ ارادۃٍ مستغرقۃ لا یتأبّی عنہ شیٔ من الممکنات بل کلّ وجود وکلّ کمال وجود فھو صادر عنه فائض من لدنه فصار الحقّ حینئذٍ بصرہ الّذی به یبصر وسمعه الّذی به یسمع وقدرته الّتی بھا یفعل وعلمه الّذی به یعلم ووجودہ الّذی به یوجد فصار العارف حینئذٍ متخلّقا باخلاق اللّٰه بالحقیقۃ۔

عارف کامل محقق طوسی علیہ الرّحمہ کا قول ہے کہ عارف اپنی انانیت کو قطع کر دیتا ہے اور حق سے متصل ہو جاتا ہے تو ہر ایک قدرت کو اُسی کی قدرت میں غرق پاتا ہے جس کا تعلق تمامی مقدورات سے ہے۔ اور ہر ایک علم کو اُسی کے علم میں مستغرق دیکھتا ہے۔ ایسا علم جس سے موجودات میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور کل ارادوں کو اسی کے ارادے میں فنا پاتا ہے۔ جس سے ممکنات میں سے کوئی شے باہر نہیں ہو سکتی بلکہ ہر ایک وجود اور ہر ایک وجود کا کمال اسی سے صادر ہوا ہے یہ فیض اسی کی جانب سے پہنچا ہے۔ اس حالت میں حق سبحانہٗ تعالےٰ اس کے لیئے وہ بصر بن جاتا ہے جس سے دیکھ سکتا ہے وہ سماعت بنجاتا ہے جس سے سُنا جائے۔ وہ قدرت ہو جاتا ہے کہ جو کرتا ہے اُسی قدرت کے ساتھ کرتا ہے

اور وہ علم بنجاتا ہے جس کے سبب سے تمام اشیاء معلوم ہوتی ہیں۔ وہ وجود بنجاتا ہے جس کے سبب سے سارے وجود ہیں۔ اس وقت عارف حقیقی طور پر صفات خداوندی سے آراستہ ہوجاتا ہے۔

محقق علیہ الرحمہ کی یہ مستحکم و مضبوط رائے ہر ایک عارف کے لیئے ہے۔ اب وہ ذوات مقدسہ جو خود سرچشمہ معرفت ہیں جن سے تمام دنیا نے معرفت کا راز سیکھا جن سے تمام عوالم نے معرفت کی تعلیم پائی۔ جن کے سبب سے خدا پہچانا گیا۔ جن کے سبب سے خدا کی عبادت کی گئی۔ عُرِفَ اللہ بنا۔ عُبِدَ اللہ بنا۔ ان بزرگواروں کے متعلق کسی قسم کی لب کشائی اپنی عقول ناقصہ کی بنا پر کرنا کہاں تک عقل و دیانت کے قریب ہے۔

قال بعض العارفين۔ اذا تجلّى الله سبحانه بذاته لاحد يرى كلّ الذّات والصّفات والافعال متلاشية فى اشعة ذاته وصفاته وافعاله ويجد نفسه مع جميع المخلوقات كانّها مدبّرة لها وهى اعضاؤها ويرى ذاته الذّات الواحدة وصفة صفتها وفعلها لامنهلاكه بالكلّيّة فى عين التّوحيد وليس للانسان وراء هٰذه الرتبة مقام فى التوحيد ولمّا انجذبت بصيرة الرّوح الى مشاهدة جمال الذّات استتر نور العقل الفارق بين الاشياء فى غلبة نور الذّات القديمة وارتفع التّميز بين القدم والحدوث لذهوق الباطل عند مجى الحقّ ويسمّى هٰذه الحالت جمعًا ولصاحب الجمع ان يضيف الى نفسه كلّ اثر ظهر فى الوجود كلّ صفة وفعل واسم لانحصار الكلّ عنده فى ذات واحدة فتارة يحكى عن حال هٰذا وتارة عن حال ذاك۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ جب خداوند عالم کسی شخص کے لیئے بذاتہ تجلّی فرماتا ہے تو وہ شخص اپنی ذات وصفات و افعال کو بالکلیہ اسی کی ذات وصفات و افعال کی شعاعوں میں متلاشی و پراگندہ دیکھتا ہے اور تمام مخلوقات کے لیئے اپنے نفس کو مدبّر سمجھتا ہے اور مخلوقات کو اپنے اعضاء۔ ذات خدا کو اپنی ذات اور اسکی صفت کو اپنے نفس کی صفات اور اُس کے فعل کو اپنا فعل خیال کرتا ہے۔ اس لیئے کہ وہ بالکلیہ چشمۂ توحید میں فنا اور غرق ہوجاتا ہے۔ اور انسان کے لیئے مقام توحید میں اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں۔ اور جس وقت کہ بصیرتِ روح مشاہدۂ جمال ذات میں جذب ہوجاتی ہے تو نور ذات قدیم کے غلبے میں نور عقل پوشیدہ ہوجاتا ہے۔ حق کی آمد سے باطل دفع ہوتا ہے اور قدوم و حدوث کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ اسی حالت کو حالت جمع کہتے ہیں۔ اور اس حالت کے مالک کو

سزاوار ہے کہ ہر ایک صفت کو۔ ہر فعل کو۔ ہر اسم کو اور ہر ایک اثر کو جو وجود میں ظاہر ہو رہا ہے
اپنے نفس کی طرف نسبت دے لے۔ اس لئے کہ اسکے نزدیک کل کا انحصار ذات واحد میں ہے پس کبھی
اس کے حال کی حکایت کرتا ہے اور کبھی اُس کے حال کی۔

اس عارف کی یہ سطور بھی غالباً ہر اُس عارف سے متعلق ہونگی جو پیروی شریعت غرا و طریقت
طاہرہ و حقیقت باہرہ کی بنا پر یہ مقام حاصل کرلے۔ پس اب ان بزرگواروں کے مقام توحید کیونکر
لفظوں میں آسکیں گے جو خود حقیقت شریعت ہوں اور حقائق عوالم انہی کی طرف رجوع کر رہے ہوں۔

فقال یاسلمان انا ابو کل مومن و مومنة یا سلمان انا الطامة الکبریٰ انا الآزفة اذا
ازفت انا الحاقة انا القارعة انا الغاشیة انا الصاخة انا المحنة النازلة و نحن الآیات
والدلالات والحجب انا وجه اللّٰہ انا الّذی کتب اسمی علی العرش فاستقر و علی السمٰوٰت
فقامت و علی الارض فاستقرت و علی الجبال فرست و علی الریح فذرت و علی البرق
فلمع و علی الودق فهمع و علی النور فسطع و علی السحاب فدمع و علی الرعد فخشع و علی اللیل
فدجیٰ فاظلم و علی النهار فانار و تبسّم۔

اے سلمان! میں ہر ایک مومن و مومنہ کا باپ ہوں۔ اے سلمان میں تباہ کر دینے والا بہت بڑا گرا دینے
والا ہوں۔ میں بہت ہی قریب آ جانیوالا ہوں میں سب کا گھیر لینے والا ہوں میں دلوں پر ضرب لگانیوالا ہوں میں سب کو بہرا کر دینے والا
ہوں۔ میں بلائے نازل ہوں۔ ہم خدا کی آیات ہیں۔ اُس کی دلیلیں ہیں۔ ہم حجاب ہیں۔ میں وجہ اللّٰہ ہوں۔
میں وہ ہوں جس کا نام عرش پر لکھا گیا تو وہ ٹھیرا۔ آسمانوں پر لکھا گیا تو وہ قائم ہوئے۔ زمین پر لکھا گیا تو
اُس نے قرار پکڑا۔ پہاڑوں پر لکھا گیا تو وہ بلند ہوئے۔ ہوا پر لکھا گیا تو وہ اُڑانے لگی۔ بجلی پر لکھا گیا تو وہ چمکی۔
بارش کے قطروں پر لکھا گیا تو وہ جاری ہوئے۔ نور پر لکھا گیا تو وہ روشن ہوا۔ بادلوں پر لکھا گیا تو اس
نے آنسو بہائے (بارش ہوئی) رعد پر لکھا گیا تو اس نے خضوع و خشوع کی صدا بلند کی۔ رات پر لکھا گیا تو
وہ تاریک اور مظلم ہوئی۔ دن پر لکھا گیا تو وہ چمک اُٹھا اور اُس نے تبسّم کیا۔

اس تفصیل کا اشارہ یہ ہے کہ تمام حقائق کی جامع ذات مرتضوی ہے۔ اشیائے عالم اسی
میں مندمج و مندرج ہیں اور وہی ایسی کتاب جامع ہے جو تمامی اسرار کائنات کی جامع ہے۔

قال فی خطبة التطنجیة و لقد علمت من عجائب خلق اللّٰہ ما لا یعلمه الا اللّٰہ و عرفت

ماکان ومایکون وماکان فی الذر الاول مع من تقدم مع آدم الاوّل، ولقد کشف لی فعرفت وعلّمنی ربّی فتعلّمت الا فقوا ولا تضجوا ولا تعجوا فلولا خوفی علیکم ان تقولوا جنّ وارتدّ لاخبرتکم بما کانوا وما انتم فیه وما تلقونه یوم القیامۃ او عزانی فعلمت ولقد ستر علمہ عن جمیع النبیین الا صاحب شریعتکم ھذہ صلوات اللّٰہ علیہ وآلہ فعلّمنی علمہ وعلمتہ علمی۔

میں مخلوق الٰہی کے عجائبات کا عالم ہوں جسے سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ میں ماکان و مایکون کا عارف ہوں۔ میں پہچانتا ہوں جو کچھ کہ ابتدائے خلقت کا حال گزرا اس شخص کے ساتھ جس نے آدم اوّل پر تقدم کیا۔ یہ سب چیزیں میرے لئے کھولدی گئیں۔ پس میں عارف ہوگیا۔ میرے رب نے مجھے تعلیم دی اور میں نے تعلیم حاصل کی۔ تم پنجوں کے بل نہ بیٹھو۔ خوف سے چیخیں نہ مارو مضطرب نہ ہو۔ اگر مجھے تمہاری طرف سے یہ خوف نہ ہوتا کہ ابھی کہہ اُٹھوگے کہ یہ کہنے والا مجنون ہوگیا ہے اور اس نے ارتداد کیا ہے تو بیشک میں تم کو خبر دیتا کہ وہ کس حال میں تھے اور اب تم کس حال میں ہو۔ اور روز قیامت تم کس شئے سے ملاقی ہوگے۔ یہ علوم خدا نے مجھ سے منسوب کیئے۔ میں انکا عالم ہوگیا اور بیشک یہ علم تمام انبیا سے پوشیدہ رکھا گیا سوائے تمہارے صاحب شریعت کے اس پر اور اس کی آل پر خدا کی طرف سے صلوات ہو۔ اس (صاحب شریعت) نے مجھے اپنے علم کی تعلیم دی اور میں نے انہیں اپنا علم سکھایا۔ (وحدت نورانیہ کی طرف اشارہ ہے)۔

ثم قال لقد علمت ما فوق الفردوس الاعلی وما تحت السابعۃ السفلی وما فی السمٰوٰت العلی وما بینھما وما تحت الثریٰ کلّ ذٰلک علم احاطۃ لا علم اخبار اقسم بربّ العرش العظیم لوشئت اخبرتکم بآبائکم واسلافکم این کانوا وممن کانوا واین ھم الآن۔ وما صاروا الیہ فکم من آکل لحم اخیہ وشارب براس ابیہ وھو یشتاقہ ویرتجیہ قال لو کشف لکم ماکان منی فی القدیم الاول ومایکون منی فی الآخر ثم عجائب مستعظمات وامور مستجبات وصنائع واحاطات انا صاحب الخلق الاوّل قبل نوح الاوّل ولو علمتم ماکان فی بنی آدم ونوح من عجائب اصطنعتھا وامم اھلکتھا فحق علیھم القول فبئس ما کانوا یفعلون انا صاحب الطوفان الاول انا صاحب طوفان الثانی انا صاحب سیل العرم انا صاحب الاسرار المکنونات انا صاحب عاد والجنات انا صاحب الثمود والآیات انا مدبرھا انا مزلزلھا انا مرجفھا انا

مھلکھا انا مدبرھا انا بانیھا انا داحیھا انا سمیتھا انا محییھا انا الاول انا الآخر انا الباطن انا الظاھر انا مع الکور قبل الکور انا مع الدور قبل الدور انا مع القلم قبل القلم انا مع اللوح قبل اللوح انا صاحب الازلیۃ الاولیۃ انا صاحب جابلقا وجابرسا انا صاحب الرفرف وبھرم انا مدبر العالم الاول حین لا سمائکم ولا غبرائکم ثم قال بعد کلام فی الاخبار بالوقائع الاتیۃ والحوادث المغیبۃ الاوکم عجائب ترکتھا ودلائل کتمتھا لا اجد لہ حملۃ ثم قال بعد کلام طویل من ھذا القبیل کانی بالمنافقین یقولون نص علیٌ علیٰ نفسہ بالربانیۃ الا فاشھدوا شھادۃ اسئالکم بھا عند الحاجۃ الیھا ان علیاً نور مخلوق وعبدٌ مرزوقٌ ومن قال غیر ھذا فعلیہ لعنۃ اللہ ولعنۃ اللاعنین۔

پھر فرمایا کہ میں فردوس اعلیٰ کے اوپر کیا چیز ہے اسے جانتا ہوں اور ساتویں طبقے کے نیچے کیا ہے اس سے واقف ہوں۔ جو کچھ بلند آسمانوں میں ہے اُس کا عالم ہوں۔ تحت الثریٰ کے حالات سے خبردار ہوں۔ ان تمام چیزوں کے متعلق مجھے علم احاطی حاصل ہے نہ کہ علم اخباری (جو کسی کے خبر دینے اور اکتساب سے حاصل ہوتا ہے) میں عرش عظیم کے پروردگار کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں تمہارے آباؤ اجداد کے متعلق خبر دوں کہ وہ کہاں تھے اور کس شخص کی طرف سے تھے۔ اب وہ کہاں ہیں اور کس چیز کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اپنے بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اور بہت سے ایسے ہیں جو اپنے بھائی کی شرافت (یا اُسکی جمع کردہ دولت) کو پیئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اس کا مشتاق ہے اور اس کی امید کر رہا ہے (کہ اس میں سے اسکے لئے کچھ کار خیر کیا جائے)۔

پھر فرمایا کہ قدامت اولین میں جو کچھ مجھ سے ظاہر ہوا اور آخر میں جو کچھ ظاہر ہوگا اگر وہ تم پر کھول دیا جاتا تو البتہ تم زبردست عجائبات دیکھتے۔ تعجب خیز امور کا ملاحظہ کرتے۔ بڑی بڑی صنعتیں تمہاری نظر سے گزرتیں اور تم دیکھتے کہ مجھے ان پر کس طرح احاطہ حاصل ہے۔ میں نوح اول سے پہلے صاحب خلق اول ہوں۔ کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ آدم اور نوح کی اولاد میں میں نے کیا کیا صنعتیں ظاہر کی ہیں۔ اُن امتوں کے حالات سے واقف ہوتے جنہیں میں نے ہلاک کیا ہے جن پر عذاب واجب ہو گیا تھا۔ وہ بہت ہی بُرے اعمال کرتے تھے۔ میں صاحب طوفان اول ہوں میں

صاحب طوفان ثانی ہوں۔ میں صاحب سیل عرم[1] ہوں (جس نے یمن کی بستیوں کو بہا دیا تھا) میں اسرار مکنونہ کا مالک ہوں۔ میں عاد اور اُن کے باغات کا صاحب ہوں۔ میں ثمود اور جو آیات اُن پر ظاہر ہوئیں اُن کا مالک ہوں۔ میں ان کا برباد کرنے والا ہوں۔ میں اُنکو متزلزل کر دینے والا اور اُن کو ہلا دینے والا ہوں۔ میں انہیں ہلاک کرنیوالا ہوں۔ میں انکی تدبیر کرنے والا ہوں۔ میں ان کا بانی ہوں۔ میں ان کا بچھانیوالا ہوں۔ میں ان کا مارنے والا اور میں انکا جلانے والا ہوں۔ میں اوّل ہوں۔ میں آخر ہوں۔ میں ظاہر ہوں۔ میں باطن ہوں۔ میں لپیٹ دینے کے ساتھ ہوں۔ لپیٹ دینے سے پہلے میں گردش کے ساتھ ہوں۔ گردش سے پہلے میں قلم کے ساتھ ہوں۔ قلم سے پیشتر میں لوح کے ساتھ ہوں۔ لوح سے قبل میں صاحب ازل اوّل ہوں۔ میں صاحب جابلقا و جابرسا ہوں۔ میں صاحب رفرف و صاحب رنگ سُرخ ہوں۔ میں عالم اوّل کا مدبّر ہوں جبکہ نہ تمہارا یہ آسمان تھا اور نہ تمہاری یہ زمین۔

پھر آپ نے واقعات آئندہ اور حوادث غیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد کیا آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے بہت سے عجائبات کا ذکر چھوڑ دیا۔ بہت سے دلائل چھپا لیئے۔ اس لیئے کہ کوئی انکا حامل نہیں ملتا۔

پھر ایک کلام طویل کے بعد فرمایا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ منافقین کہہ رہے ہیں کہ علیؑ اپنے لیئے ربوبیت مطلقہ کا دعوےٰ کر رہا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ اور گواہ رہو۔ تم سے وقت ضرورت یہ گواہی لیجائیگی کہ بیشک علیؑ نور مخلوق ہے۔ بندہ ہے جو خدا سے رزق پاتا ہے۔ جو کوئی اس کے سوا کہے تو اُس پر خدا کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔

قبل اس کے کہ نتیجۂ کلام ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر اور بھی حضرت امیر المومنینؑ کے ارشادات حقائق آفرین ذکر کیے جائیں جن کے دیکھنے اور پڑھنے سے یقیناً نور ایمان کی زیادتی متصور ہے۔

قال علیہ السّلام فی بعض خطبہ۔ انا عندی مفاتیح الغیب لایعلمہا بعد رسول اللّٰہ الا انا انا ذوالقرنین المذکور فی الصحف الاولیٰ انا صاحبُ خاتم سلیمان انا ولی الحساب انا صاحب الصّراط والموقف انا قاسم جنّۃ والنّار انا اٰدم الاوّل انا نوح الاوّل انا اٰیۃ الجبّار انا حقیقۃ الاسرار

[1] ایک سد یا ایک وادی کا نام ہے۔ اور سیل عرم اسے بھی کہتے ہیں جس کے دفعیہ کی طاقت نہو ۱۲

انا مورّق الاشجار انا مونع الاثمار انا مفجّر العیون انا مجری الانہار انا خازن العلم انا طود الحلم انا امیر المؤمنین انا عین الیقین انا حجۃ اللہ فی السمٰوات والارض انا الرّاجفۃ انا الصاعقۃ انا الصّیحۃ بالحق انا السّاعۃ لمن کذب بھا انا ذٰلك الکتاب لا ریب فیہ انا الاسمآء الحسنٰی التی امر اللہ ان یدعٰی بھا انا ذٰلك النور الّذی اقتبس موسٰی منہ الھدٰی انا صاحب الصّور انا مُخرج من فی القبور انا صاحب یوم النشور انا صاحب نوح ومنجیہ انا صاحب ایّوب المبتلٰی وشافیہ انا اقمت السمٰوات بامر ربّی انا صاحب ابراھیم انا سرّ الکلیم انا النّاظر فی الملکوت انا امر الحیّ الّذی لا یموت انا ولیّ الحقّ علٰی سائر الخلق انا الّذی لا یبدل القول لدیّ وحساب الخلق الیّ انا المفوّض الیّ امر الخلائق انا خلیفۃ الالٰہ الخالق۔

(ترجمہ) میں وہ ہوں جس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں بعد رسول اللہ سوائے میرے اور کوئی نہیں جانتا۔ میں وہ ذوالقرنین ہوں جس کا صحف اولٰے میں ذکر ہے۔ میں خاتم سلیمان کا مالک ہوں۔ میں حساب کا مالک ہوں۔ میں صراط اور میدان حشر کا مالک ہوں۔ میں جنت ونار کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ میں آدم اوّل ہوں۔ میں نوح اوّل ہوں۔ میں جبار کی نشانی ہوں۔ میں اسرار کی حقیقت ہوں۔ میں درختوں کو پتوں کا لباس عطا کرنے والا ہوں۔ میں پھلوں کا پختہ کرنے والا ہوں۔ میں چشموں کا نکالنے والا ہوں۔ میں نہروں کا جاری کرنے والا ہوں۔ میں علم کا خزانہ دار ہوں میں حلم کا پہاڑ ہوں۔ میں امیر المومنین ہوں۔ میں سرچشمۂ یقین ہوں۔ میں زمین وآسمان میں خدا کی حجّت ہوں میں متزلزل کر دینے والا ہوں میں صاعقہ ہوں میں حقانی آواز ہوں۔ میں قیامت ہوں اُسکے لیئے جو قیامت کی تکذیب کرے۔ میں وہ کتاب ہوں جس میں کوئی شک وشبہہ نہیں۔ میں وہ اسمائے حسنٰے ہوں جن کے وسیلے سے خدا نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (واضح ہو اس جملہ میں حضرت نے اپنی ذات خاص کو اسمائے حسنٰے سے تعبیر کیا ہے۔ جس سے بآسانی یہ مطلب اخذ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ذات بابرکات کل اسمائے حسنٰے کا مظہر ہے۔ گویا یہ ایک آئینہ ہے جس میں تمام صفات کمالیہ کے نقش ونگار جلوہ گر ہیں) میں وہ نور ہوں جس سے موسٰے نے ہدایت کو اقتباس کیا۔ میں صور کا مالک ہوں۔ میں قبروں میں سے نکالنے والا ہوں۔ میں یوم النشور کا مالک ہوں۔ میں نوح کا صاحب اور اُسکا نجات دہندہ ہوں میں ایوبؑ بلارسیدہ کا صاحب اور اُسکو شفا دینے والا ہوں۔ میں نے اپنے رب کے امر سے آسمانوں کو قائم کیا ہے

میں صاحب ابراہیم ہوں میں کلیم کا بھید ہوں۔ میں ملکوت (حقائق اشیاء) کو دیکھنے والا ہوں۔ میں اس حیّ کا امر ہوں جسے موت نہیں (اور حی کا امر بھی حی ہوتا ہے) میں تمام مخلوق پر ولی حق ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میرے سامنے بات نہیں بدلی جا سکتی۔ مخلوق کا حساب میری طرف ہے (میں حساب لینے والا ہوں) میں وہ ہوں جسے امر مخلوق تفویض کیا گیا ہے۔ میں خلیفۃ اللہ الخالق ہوں۔

آخری جملوں میں لفظ تفویض اُن لوگوں کو چونکا کریگا جنہوں نے اپنے قیاسات و اوہام کا نام ایمان رکھا ہے۔ مگر ارباب بصیرت کے لیئے اس میں قطعاً کوئی بیچینی کی بات نہیں ہے۔ لفظ تفویض احادیث میں ائمہ کے لیئے بکثرت استعمال ہوا ہے۔ بیشک اس تفویض کی حدیں یہودیت سے جا کر ملجائینگی اگر اس تفویض سے خدا کو عضو معطّل تصوّر کر لیا جائے۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ کل امورِ خلائق ائمہ کو سونپ کر اب خدا بیکار ہو بیٹھا اور اُسے اب کوئی اختیار نہیں رہا۔ تو ایسا عقیدہ اسلام سے الگ کر دینے والا ہے۔ لیکن اگر تفویض کے یہ معنی نہ لیئے جائیں اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ امور خلائق کا اجرا انہی کے ہاتھ سے ہوتا ہے اور یہ بزرگوار تحت مشیّت ایزدی امور خلائق میں متصرف ہیں تو ایسا عقیدہ عین ایمان ہے بلکہ روحِ دیانت ہے۔ اور انہی معنی میں یہ لفظ احادیث میں ائمہ کے لیئے مستعمل ہوتا ہے۔

انا سرّ اللہ فی بلادہٖ وحجّتہٗ علیٰ عبادہٖ انا امر اللہ والرّوح کما قال سبحانہ ویسئلونکَ عن الرّوح قل الرّوح من امر ربّی انا ارسیت الجبال الشّامخات وفجّرت العیون الجاریات انا غارس الاشجار ومخرج الوان الثمار انا مقدّر الاقوات انا ناشر الاموات انا منزل القطر انا منور الشمس والقمر والنجوم انا قیم القیامۃ انا مقیم السّاعۃ انا الواجب لہ من اللہ الطاعۃ انا حی لا اموت وانا میت لم امت انا سرّ اللہ المخزون انا العالم بما کان ومایکون انا صلوٰۃ المؤمنین وصیامھم انا مولاھم واماھم انا صاحب النّشر الاوّل والاٰخر انا صاحب المناقب والمفاخر انا صاحب الکواکب انا عذاب اللہ الواصب انا مھلک الجبابرۃ الاوّل انا مزیل الدّول انا صاحب الزلازل والرجف انا صاحب الکسوف والخسف انا مدمّر الفراعنۃ بسیفی ھذا انا الّذی اقامنی اللہ فی الاظلّۃ ودعاھم الی طاعتی فلما ظھرت انکروا فقال سبحانہ فلمّا جاءھم ما عرفوا کفروا بہ انا نور الانوار انا حامل العرش

مع الابرار انا صاحب الکتب السالفۃ انا باب اللہ الّذی لا یفتح لمن کذب بہ ولا یذوق الجنۃ
انا الّذی تزدحم الملائکۃ علی فراشی و یعرفنی عباد اقالیم الدّنیا انا الّذی ردّت لی الشّمس
مرّتین وسلمت علیّ کرّتین وصلّیت مع رسول اللہ القبلتین و بایعت البیعتین انا صاحب
بدرٍ وحنین انا الطور انا الکتاب المسطور انا البحر المسجور انا البیت المعمور انا الّذی
دعی اللہ الخلائق الی طاعتی فکفرت امّۃ واصرّت ومسخت واجابت امۃ فنجت بی و
ازلفت وانا الّذی بیدہ مفاتیح الجنان ومقالید النیران انا مع رسول اللہ فی الارض وفی
السّمآء انا المسیح حیث لا روحٌ تتحرّك ولا نفس تتنفس غیری انا صاحب قرون الاولیٰ
انا الصامت ومحمّد الناطق انا جاوزت بموسیٰ فی البحر واغرقت فرعون وجنودہ وانا اعلم همهم
البھائم ومنطق الطّیر انا الّذی اجوز السّمٰوٰت السّبع والارضین السّبع فی طرفۃ عینٍ
انا المتکلّم علیٰ لسان عیسیٰ فی المھد انا الّذی یصلّی عیسیٰ خلفی انا الّذی اتقلّب فی الصّور
کیف شاء اللہ انا مصباح الھدیٰ انا مفتاح التقیٰ انا الاٰخرۃ والاولیٰ انا الّذی اری اعمال
العباد انا خازن السّمٰوٰت والارض بامر رب العالمین انا القآئم بالقسط انا دیان الدّین
انا الّذی لا یُقبل الاعمال الّا بولایتہ ولا ینفع الحسنات الا بحبّتہ انا العالم بمدار الفلك
الدّوار انا صاحب مکیال قطرات الامطار ورمل القفار باذن الملك الجبّار وانا الّذی
اقتل مرّتین واحیی مرّتین واظھر کیف شئت انا محصی الخلائق وان کثروا انا محاسبھم
وان عظموا انا الّذی عندی الف کتاب من کتب الانبیآء انا الّذی جحد ولا یتی الف امۃ
فمسخوا انا المذکور فی سالف الزمان والخارج فی اٰخر الزمان انا قاصم الجبّارین فی الغابرین
ومُخرجھم ومعذّبھم فی الاٰخرین انا معذب یغوث ویعوق ونسرا عذابا شدیدا انا
المتکلم بکل لسان انا الشاھد لاعمال الخلائق فی المغارب والمشارق انا محمّد ومحمد انا
انا المعنی لا یقع علیہ اسم ولا شبہ انا باب حطۃ ولا حول ولا قوّۃ الّا باللہ العلیّ العظیم

میں خدا کے شہروں میں سرّ اللہ ہوں۔ اور اُس کے بندوں پر اُس کی حجت ہوں میں خدا
کا امر اور روح ہوں جیسا کہ حق سبحانہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تجھ سے روح کی بابت سوال کرتے
ہیں۔ کہدے کہ روح میرے رب کا امر ہے میں نے بلند و بالا پہاڑوں کو قائم کیا ہے۔ میں نے

چشمہ ہائے جاری کو شگافتہ کیا ہے۔ میں اشجار کا لگانے والا ہوں۔ میں پھلوں کے رنگ کا نکالنے والا ہوں۔ میں روزیوں کا اندازہ لگانے والا ہوں۔ میں مُردوں کا اُٹھانے والا ہوں۔ میں (بارش اور شبنم) کے قطروں کا نازل کرنے والا ہوں۔ میں سورج چاند اور ستاروں کو نورانی کرنے والا ہوں میں قیامت کا برپا کرنے والا ہوں۔ میں ساعت کا قائم کرنے والا ہوں۔ میں وہ ہوں جس کی منجانب اللہ اطاعت واجب ہے۔ میں زندہ ہوں۔ مجھے موت نہیں ہے۔ میں مردہ ہوں مگر مرا نہیں (یہ موت فنافی اللہ سے عبارت ہے جو عین زندگی ہے) میں خدا کا سترِ مخزون ہوں۔ میں عالم ماکان ومایکون ہوں۔ میں مومنین کی نماز و روزہ ہوں۔ میں اُن کا مولا اور اُن کا امام ہوں۔ میں نشر اول و آخر کا صاحب ہوں۔ میں صاحب مفاخر و مناقب ہوں۔ میں صاحب کواکب ہوں میں خدا کی طرف سے (دشمنان خدا کے لئے) عذاب واصب (دائم وابدی) ہوں۔ میں جبّاران اوّل کا ہلاک کرنے والا ہوں۔ میں دولتوں کا زائل کرنے والا ہوں۔ میں زلزلوں اور بھونچال کا مالک ہوں۔ میں صاحب کسوف و خسوف ہوں۔ میں اپنی اسی تلوار سے فرعونوں کا برباد کرنے والا ہوں۔ میں وہ ہوں جسے خدا نے سایہ (رحمت) میں کھڑا کیا اور مخلوق کو میری اطاعت کی طرف بُلایا۔ پس جب میں ظاہر ہوا تو ان لوگوں نے میرا انکار کیا۔ چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ ان کے پاس آیا جسے وہ جانتے تھے تو انہوں نے اس سے انکار کیا۔ میں نور الانوار ہوں۔ میں ابرار کے ساتھ حامل عرش ہوں۔ میں کتب گزشتہ کا مالک ہوں۔ میں خدا کا وہ دروازہ ہوں جو تکذیب کرنے والے کے لئے نہیں کھولا جاتا۔ اور وہ جنت کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا۔ میں وہ ہوں جس کے بستر پر ملائکہ کا ہجوم رہتا ہے۔ مجھے دنیا کی اقلیموں کے (مخلص) بندے پہچانتے ہیں۔ میں وہ ہوں جس کے لئے سورج نے دو مرتبہ رجعت کی۔ اور مجھ پر دو مرتبہ سلام کیا۔ میں نے رسول اللہؐ کے ہمراہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ میں نے دو بیعتیں کیں۔ میں صاحب بدر و حنین ہوں۔ میں طور ہوں۔ میں کتاب مسطور ہوں میں لبریز سمندر ہوں۔ میں بیت المعمور ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میری اطاعت کے لئے مخلوق کو بُلایا گیا۔ ایک گروہ نے انکار کیا اور اس کفر پر اصرار سے کام لیا۔ یہ گروہ مسخ ہو گیا۔ اور دوسرے گروہ نے میری اطاعت قبول کی۔ وہ میرے سبب سے نجات پا گیا اور مقرب بارگاہ خداوندی ہوا۔ میں وہ ہوں جس کے ہاتھ میں جنت اور دوزخ کی کنجیاں ہیں۔ میں زمین و آسمان میں رسول اللہؐ کا

ساتھ ساتھ ہوں۔ میں مسیح ہوں (یعنی قدرت نے مجھے مس کیا ہے) جبکہ نہ کوئی روح متحرک تھی اور نہ میرے سوا کوئی نفس متنفس تھا۔ میں صاحب قرون اولیٰ ہوں۔ میں صامت ہوں اور محمدؐ ناطق ہیں۔ میں نے موسیٰؑ کو سمندر سے پار اتارا ہے۔ میں نے فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کیا ہے میں چوپایوں کے ہمہموں سے واقف ہوں۔ پرندوں کی زبان کا عالم ہوں۔ میں وہ ہوں جو پلک جھپکتے میں سات آسمانوں اور سات زمینوں سے گزر گیا۔ میں گہوارے میں عیسیٰؑ کی زبان سے کلام کرنیوالا ہوں ۔

عیسیٰؑ بوجود آمد و فی الحال سخن گفت   آن نطق و فصاحت کہ باو بود علیؑ بود

میں وہ ہوں کہ عیسیٰؑ جس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ میں حسب مشیت الٰہی جو صورت چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں۔ میں ہدایت کا چراغ ہوں۔ میں تقویٰ کی مفتاح ہوں۔ میں آخر ہوں میں اول ہوں۔ میں بندوں کے اعمال دیکھتا ہوں۔ میں بامر رب العالمین سموات و ارض کا خزانہ دار ہوں۔ میں قسط و عدل کے ساتھ قائم ہوں۔ میں روز قیامت جزا دینے والا ہوں۔ میں وہ ہوں کہ میری ولایت کا اقرار کئے بغیر اعمال قبول نہیں ہوتے۔ اور میری محبت کے بغیر حسنات کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ میں ملاء اعلیٰ فلک دوار کا عالم ہوں۔ میں باذن بادشاہ جبار قطرات بارش اور ریگ صحرا کا پیمانہ ہوں۔ میں وہ ہوں جو دو مرتبہ قتل ہونگا۔ اور دو مرتبہ زندہ ہونگا اور جس طرح بھی میں چاہونگا ظاہر ہونگا۔ میں تمام خلائق کا احصا کرنے والا ہوں۔ اگرچہ انکی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کا محاسب ہوں۔ اگرچہ انکا شمار عظیم ہے۔ میں وہ ہوں جس کے پاس کتب انبیاء میں سے ہزار کتابیں ہیں۔ میں وہ ہوں جسکی ولایت کا ایک ہزار امتوں نے انکار کیا جس سے وہ مسخ ہوگئیں۔ میں زمانہ گزشتہ میں مذکور تھا۔ میں آخری زمانہ میں خروج کرنے والا ہوں۔ میں ان جباروں کو شکستہ کرنے والا ہوں جو باقی رہ گئے ہیں۔ میں انکو زمین سے نکالنے والا ہوں اور آخرین میں انکو عذاب دینے والا ہوں۔ میں یغوث و یعوق و نسر (ان تین مشہور بتوں) کو شدت کے ساتھ معذب کرنے والا ہوں۔ میں ہر ایک زبان میں کلام کرنیوالا ہوں۔ میں مشارق و مغارب میں اعمال خلائق کا نگراں ہوں۔ میں محمد ہوں اور محمد میں ہوں۔ میں وہ معنی ہوں جس پر اسم واقع نہیں ہو سکتا۔ نہ کوئی اس کا نظیر ہو سکتا ہے۔ میں مغفرت کا دروازہ ہوں ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس ارشاد حقیقت بنیاد میں جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے اُس پر نظر کرتے ہوئے بلا خوف تردید

کہا جا سکتا ہے کہ جتنے صفات کمالیہ ظاہر ہوئے وہ انہی مظاہر تامّہ اور کامل انسانوں کے وجود سے ظاہر ہوئے کوئی فیض ایسا نہیں ہے جو ان کے توسط کے بغیر پہنچ گیا ہو اور کوئی صفت ایسی نہیں جس کی نمو دان میں موجود نہ ہو۔ یہی مقام، مقام خلافت عظمےٰ ہے۔ خدا کی جانشینی کے یہی معنی ہیں۔ ورنہ بغیر اس کے خلافت کوئی قابل وقعت چیز نہیں ہے۔ ایسا ہی خلیفہ خلافت عدلیہ کا حامل ہے۔ وہ اپنی رعایا کے جزو کُل پر متصرف ہوتا ہے۔ رعایا کے حالات سے کلیۃً خبردار رہنا اس کے لئے لازم ہے۔ یہی خلیفۂ خدا رعایا کو اسکی مایحتاج اس طرح پہنچاتا رہتا ہے کہ غفلت شعار رعایا کو اسکی خبر بھی نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی جتائے تو انکار پر کمر باندھتی ہے۔ ربوبیت کی شان اسی کے ہاتھ پر جاری ہوتی ہے۔ یہی مربی عالم ہوتا ہے۔ بغیر اس کے عالم کا قوام درست نہیں رہ سکتا۔ لولا الامام لساخت الارض باھلھا۔ اگر امام نہ ہو تو زمین اہل زمین سمیت غائب ہو جائے اس خلیفۂ اعظم کو رعایا کے جزو کل امور پر تصرّف کلّی حاصل ہوتا ہے۔ اسی تصرّف قہریہ کا نام ولایت مطلقہ ہے۔ یہی مظہر اسم الولی ہے۔ اسی کا وجود سب سے مقدم اور سب سے پہلے تھا۔

مولوی سید محمد سبطین صاحب زاد مجدہ نے اپنی بے نظیر تصنیف صراط السوی میں لکھا ہے:۔ "چونکہ الولی خدا کا نام ہے اور یہ ایسا اسم ہے جو خدا کے لئے بولا جاتا ہے اور خدا ہمیشہ سے اس صفت کے ساتھ متصف اور اس اسم کے ساتھ موسوم ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ کبھی ولایت مطلقۂ الٰہی منقطع نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا مظہر بھی ہمیشہ موجود رہیگا"۔ اس تحریر پر ایک متفلسف اعتراض کرتا ہے کہ مولوی صاحب کے اس بیان سے لازم آتا ہے کہ ولایت مطلقۂ الٰہی کا مظہر بھی مثل خدا قدیم ہو۔ والّا ملازم کا دعوےٰ صحیح نہ ہو گا۔ جسکو کوئی عاقل اختیار نہیں کر سکتا۔

معترض کا یہ اعتراض عدم تدبّر پر مبنی ہے۔ اور مولّف صراط السوی مدفیوضہ کے کسی لفظ سے وہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا جو فلسفی معترض نے پیدا کر کے دنیا کو دھوکا دینا اور رباب فیض کو بند کرنا چاہا ہے۔

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ مولّف مدظلّہ نے امام زمانہ کے وجود پر دلائل قرآن وحدیث پیش کرتے ہوئے اس وجود مقدس کو مظہر اسم الولی کہا ہے۔ یہ لفظ مظہر خود اس نسبت تاخر کو بیان کر رہا ہے جو اسی ظاہر سے ہے یعنی عقلاً وجود ظاہر مقدّم ہے۔ اور وجود مظہر موخّر۔

علاوہ ازیں مؤلف کا ارشاد یہ ہے کہ کبھی ولایت مطلقۂ الٰہی منقطع نہیں۔ لہذا اس کا مظہر بھی ہمیشہ موجود رہیگا"۔ اس کلام میں صریح ابدیت کی طرف اشارہ ہے۔ نہ کہ ازلیت کی جانب۔ اور اس میں کسی عاقل کو کلام ہو نہیں سکتا۔

واضح ہو کہ عالم تقدیر یا علم سے اس مقام پر بحث نہیں بلکہ مقام بحث میں عالم ایجاد ہے۔ حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف۔ اس راز کو ظاہر کر رہی ہے۔ پس عالم ایجاد جب سے ہے (جو زمان و زمانیات سے مبرّا ہے) اسی وقت سے خلیفۂ خدا اور مظہر اسم الولی کا وجود فی الاعیان ثابت ہے۔ بلکہ عالم ایجاد کی پہلی شے یہی ہے۔ مابقی سب اس کے بعد اور اس کے تحت تصرف ہیں۔ اس اعتقاد کو قدم ذاتی سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو قدم کے معنی معلوم نہیں۔ حالانکہ اگر مظہر ولی کو "من حیث ثبوتہ فی علم الباری" قدیم کہا جائے تو اس میں کسی صاحب نظر کو کلام نہ ہوگا۔ مگر ہم تو اس لفظ کو پسند ہی نہیں کرتے جس سے کسی قسم کا شبہہ عارض ہو سکے۔ وانکان موجوداً فی علم اللہ ازلاً فھو محدث فی نفس ذالک الوجود لانہ فیہ مفتقر الیٰ موجودٍ یوجدہ فی العین فوجودہ مرتب علیٰ وجود الحق وھذا معنی الحدوث فلا یصح علیہ اسم القدیم۔ اگرچہ وہ علم خدا میں ازل سے موجود ہے لیکن وہ فی نفسہ اپنے وجود میں ایسے موجود کا محتاج ہے جو اسے وجود فی العین کا خلعت بخشے پس اس حالت میں یقیناً اس کا وجود وجود حق پر مترتب ہوگا۔ یہی معنی حدوث کے ہیں۔ اور اسپر اطلاق اسم قدیم کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اور یہی دلیل کل ماسوے اللہ کے حدوث اور عدم قدامت کے لئے جاری ہوگی۔

ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کون شخص سوائے خدا کے اور کسی کی قدامت کا قائل ہو سکتا ہے اور مولوی سید محمد سبطین صاحب مد فیوضہ کی تحریر کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے بلکہ اسکا ملخص صرف اس قدر ہے کہ جب سے عالم ایجاد کی بنا ہے اس وقت سے مظہر صفات کمالیۂ الٰہیہ موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں بلکہ اہل حق کو یہی عقیدہ رکھنا ضروری ہوگا۔

خیر یہ تو سب کچھ ہو چکا لیکن فلاسفر صاحب اس کا تو جواب دیں کہ خلقتِ مخلوق سے پہلے خدا کیا کرتا تھا۔ کیا معطل محض تھا۔ اگر معطل تھا تو کل یوم ھو فی شأن کے کیا معنے ہیں اور آیا

تعطیل مناسب شان الوہیت ہے یا نہیں؟ جواب معقول مرحمت ہو۔

اس دلچسپ سوال کے بعد ہمیں اپنے مقصد پر آنا چاہئے۔ وہ یہ کہ مظہر اسم آلولی کا وجود نہایت ضروری ہے۔ اس کا وجود دیگر مخلوق سے مقدم بھی ہے اور سب کے مؤخر بھی۔ اسی ولایت مطلقہ کو امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام نے ان مقدس کلمات میں ظاہر فرمایا ہے جو اس سے قبل درج کئے جا چکے ہیں۔ اسی منزلت ولایت مطلقہ کی جانب مندرجہ ذیل آیۂ وافی ہدایہ اشارہ کر رہی ہے۔

افتتخذونہ وذریتہ اولیاء من دونی وھو لکم عدو بئس للظالمین بدلا ما اشھدتھم خلق السموات والارض ولا خلق انفسھم وما کنت متخذ المضلین عضداً

"کیا تم شیطان اور اسکی ذریت کو ولی قرار دیتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالمین کے لئے بہت برا عوض اور بدل ہے ان شیاطین کو نہ میں نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا اور نہ ان کے نفوس کی خلقت کے وقت۔ اور میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں ہوں"

پہلے ایک کلیۂ عقلیہ سمجھ لیجئے پھر آیت کے معنی میں غور کیجئے گا۔ ایک قاعدۂ عقلیہ ہے اگر ہم کسی شخص سے کسی مرتبے کی نفی کرتے ہوئے ان چیزوں کو دلیل میں پیش کریں جو اس میں موجود نہیں ہیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان چیزوں کا وجود اس مرتبے کے لئے لازمی ہے۔

مثال اسکی یہ ہے کہ زید نے جو ایک عالم معتمد ہے اعلان کیا کہ بکر پیشنماز نہیں۔ اور دلیل یہ بیان کی کہ وہ عادل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدالت پیش نمازی کے لئے شرط ہے یا یہ کہا کہ وہ مسائل ضروریہ سے واقف نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسائل ضروریہ سے واقف ہونا پیشنمازی کے لئے لازمی ہے۔ یہ ایک معمولی عقلیہ ہے جسے معمولی سمجھ کا انسان بھی جان سکتا ہے بلکہ جانتا ہے

اس کلیہ کو مدنظر رکھکر ملاحظہ کیجئے کہ خداوند عالم نے ولایت شیطان کی نفی فرمائی ہے۔ اور اسکی دلیلیں جو ارشاد فرمائیں وہ یہ ہیں۔

(۱) وہ تمہارا دشمن ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ولی وہ ہو سکتا ہے جو تمہارا سر تا سر دوست ہو جسمیں ہرگز تمہاری عداوت کا شائبہ نہو۔ گویا اس کا وجود رحمت ہی رحمت ہو وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اسکی شان ہو۔

(۲) میں نے شیطان اور ذریت شیطان کو زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ولی وہ ہو سکتا ہے جسے خدا نے زمین و آسمان کی خلقت کے وقت حاضر کیا ہو اور وہ اس وقت موجود رہ کر اس خلقت اولیہ کے حالات سے خبردار رہو۔

(۳) یعنے ان میں سے بعض کو بعض کی خلقت کے وقت حاضر نہیں کیا (ولا خلق انفسہم) اس سے معلوم ہوا کہ ولی وہ ہیں جو ایک دوسرے کی خلقت کے وقت موجود رہے ہوں۔ اور اس کا علم حضوری رکھتے ہوں۔

(۴) میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولی وہ ہے جو ید عمالۂ خداوندی ہو۔ اور اس کی شان ہدایت ہی ہدایت ہو

یہ باتیں اس آیہ وافی ہدایہ سے بادنےٰ تدبر معلوم ہو سکتی ہیں۔ اسی تدبر کے لئے حکم محکم موجود ہے افلا یتدبرون القرآن ام علےٰ قلوب اقفالہا۔ کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں اور پھر قفل بھی کیسے دلوں ہی کے۔

اب تدبر عقلی سے واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے نفی ولایت شیطان و ذریت شیطان کرتے ہوئے جن امور کا عدم ان میں ثابت فرمایا ہے۔ انہیں امور کا وجود منزلت ولایت کے لئے حسب قانون عقل لازمی و لابدی ہے اور اس سے ولی برحق کے فضائل و مناقب کافی طور پر معلوم ہو سکتے ہیں علاوہ اس کے جب ارشادات معصومین پر نظر پڑتی ہے تو اس سے صریح طور پر وہی مستنبط ہوتا ہے جو بیان کیا گیا۔ صاحب تفسیر صافی اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں۔ فی الکافی عن الجواد علیہم السلام ان اللہ تبارک وتعالےٰ لم یزل متفرداً بوحدانیۃ ثم خلق محمداً وعلیاً وفاطمۃ فمکثوا الف دھر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشھدھم خلقھا و اجری طاعتھم علیھا وفوض امرھا الیھم الحدیث کافی میں حضرت جواد علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم اپنی وحدانیت میں متفرد تھا۔ پھر اس نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ کو خلق کیا۔ یہ بزرگوار ہزار زمانے تک اسی حالت پر رہے۔ پھر اس نے تمام اشیاء کو خلق کیا۔ اور ان بزرگواروں کو ان چیزوں کی خلقت پر حاضر کیا۔ ان کی طاعت ان اشیاء پر جاری کی اور ان اشیاء کا امر انہیں تفویض کر دیا۔ الآخرہ۔ اس حدیث سے ناظرین کو معلوم ہو سکیگا۔ کہ ارشاد معصوم ہرگز اس

قانون عقلی کے مخالف نہیں جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ بلکہ بالکل اس کی تائید وتاکید کررہا ہے۔

مولوی سید محمد سبطین صاحب سے تالیف کتاب مستطاب صراط السوی میں جہاں بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں وہاں انھوں نے یہ غلطی بھی کی ہے کہ آیت مذکورۃ الصدر کو ادلّہ وجودِ ولی و امام میں قرار دیا ہے جو یقیناً ارشاداتِ معصومین سے مستنبط ہے۔

ایک بہت بڑے فلاسفر اس پر اعتراض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر مولف صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل ان کا طبعزاد مضمون ہے۔ آیۂ شریفہ کو اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور ولی کے جن معنوں کا مفہوم آیت ہونا بیان فرمایا ہے وہ اس سے کسی طرح نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ آیۂ مذکورہ میں حق تعالےٰ نے کفار و مشرکین کی سرزنش کی ہے کہ تم شیطان اور اس کی ذریت کی جو گمراہ کنندہ ہیں اطاعت کرتے ہو اور ان کو برا بدل قرار دیتے ہو حالانکہ میں نے اپنی مخلوقات کے پیدا کرنے میں ان کو اپنا معین قرار نہیں دیا۔ لہذا ان کو میرا عوض قرار دینا اور ان کے بیہودہ وسوسوں پر عمل کرنا اور ان کو واقعی سمجھنا کیونکر صحیح ہوا۔ پس آیۂ شریفہ میں شیاطین کے قابل اطاعت ہونے کی نفی مذکور ہے۔ اور اس میں معنی ولی وغیرہ کا بیان کرنا کسی طرح مقصود نہیں ہے اور ولی **بمعنی مستحق امامت** کے ادلہ میں آیۂ مذکور کو کسی شخص نے نہیں لکھا جیسا مؤلف صاحب کا خیال ہے تو کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔"

ہم کبھی اس قول پر نظر ڈالتے ہیں اور کبھی قائل کی علمی نمائش پر افسوس کرتے ہیں۔ کبھی اس تحریر کی سخافت پر ہنسی آتی ہے اور کبھی قائل کے لمبے چوڑے خطابات "استاد الکل فی الکل" پر۔ یہ ہے علم اور یہ ہے مدعیان علم کا سرمایہ کمال جس سے ایک دنیا کو مرعوب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خدا کی قسم اب ہندوستان میں مذہب کی لگامیں جُہّال کے ہاتھ میں دیکھ کر خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے۔ غضب خدا کا دین و دیانت سے تعلق ہی اُٹھ گیا۔ اور پھر تمام دنیا کو اپنی طرف دعوت دیجا رہی ہے۔ اور عقائد کی اصلاح کے لئے بایں جہل و نادانی کوششیں فرمائی جارہی ہیں۔ اس کا نام مکر نہیں تو اور کیا ہے۔

ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب سوائے مؤلف صراط السوی کے اور کسی نے نہیں لکھا۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا لکھا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے کتاب خدا سے

ایک دلیل اخذ کی ہے وجود امام پر۔ آیا یہ اخذ کرنا کوئی جرم شرعی ہے۔ علامہ حلی نے جو الفین میں دو ہزار دلیلیں اس بارہ میں جمع کی ہیں۔ کیا وہ سب کی سب دوسروں کے کلام سے ماخوذ ہیں اور اوران میں سے کسی دلیل میں بھی وہ متفرد نہیں ہیں۔ تو کیا معترض کے نزدیک علامہ کی حیثیت الفین میں بالکل ایک جمع کر دینے والے کی ہے۔ کیا وہ بھی صرف ریوٹر کے تاروں کا ترجمہ کر دینے والے تھے؟

اب آئیے اس امر کی جانب کہ کتاب اللہ سے مطالب کا استخراج کرنا ہے اور اہل علم کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری نے ایک باب تعلیم و تعلم کی نسبت تحریر کیا ہے۔ اس کے آخر میں ترتیب علوم کا بیان ہے اور اس ترتیب علوم کی نسبت صاحب کتاب لکھتے ہیں۔

واعلم ان ترتیب العلوم علی نحو ما ذکرنا ماخوذ من کلام شیخنا الشهید الثانی نور الله ضریحه بل اکثر فوائد هذا النور ماخوذة من کلامهم ولا عیب علینا فی اخذ کلامهم لانه البحر الذی عرف منه المتاخرون باسرهم

یعنی جاننا چاہئے کہ ترتیب علوم کا جس طریقے پر ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے شیخ شہید ثانی نور اللہ ضریحہ کے کلام سے ماخوذ ہے۔ بلکہ اس نور (باب) کے اکثر فوائد انھیں کے کلام سے لیے گئے اوران کے کلام سے اخذ کرنے میں ہم پر کوئی عیب نہیں لگا سکتا۔ اس لئے کہ وہ ایک سمندر ہیں جس سے متاخرین نے کلیۃً چلو بھرا ہے۔

اس ترتیب کو ممدوح نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تمام علوم یعنی صرف و نحو و ادب و منطق و فقہ واصول فقہ و حدیث و درایت سے جب فارغ ہو تو اب اسے تفسیر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں فاذا فرغ من ذلک کله شرع فی تفسیر الکتاب العزیز باسره فکل هذه العلوم مقدمة له واذا وفق له فلا یقتصر علی ما استخرجه المفسرون بانظارهم فیه بل یکثر من التفکر فی معانیه ویصفی نفسه للتطلع علی اخرافیه ویبتهل الی الله تعالی فی ان یمنحه من لدنه فهم کتابه واسرار خطابه فحینئذٍ یظهر علیه من الحقائق مالم یصل الیه غیره من المفسرین لان الکتاب العزیز لجی فی قعره درره وفی ظاهره خیر الناس فی التقاط

دبرہ والاطلاع علی بعض حقائقہ علے مراتب ومن ثم تری التفاسیر مختلفۃ حسب اختلاف اھلہا فیما یغلب علیھم فمنہا ما یغلب علیہ العربیۃ ککشاف الزمخشری ومنہا ما یغلب علیہ الحکمۃ والبرھان الکلامی کمفاتیح الغیب للرازی ومنہا ما یغلب علیہ القصص کتفاسیر الثعلبی ومنہا ما یتسلط علیہ تاویل الحقائق دون التفسیر الظاھر کتفسیر عبدالرزاق الکاشی الی غیر ذلک

جب علوم سے فارغ ہو جائے تو کلیۃً تفسیر کتاب اللہ کو شروع کرے کیونکہ یہ تمام علوم اسکے لئے مقدمہ ہیں اور جب کہ اس امر کی توفیق اسے ملجائے تو صرف ان مطالب پر بس نہ کرے۔ جو دیگر مفسرین نے کتاب اللہ میں غور و فکر کے بعد استخراج کئے ہیں۔ بلکہ اس کے معانی میں تفکر کثیر سے کام لے اور نفس کو صاف کرے تاکہ وہ اس کی پوشیدگیوں پر مطلع ہو۔ خداوند عالم کے سامنے گریہ وزاری کرے تاکہ وہ اپنے پاس سے اسے فہم کتاب اور اسرار خطاب عطا فرمائے۔ اُسوقت اُسپر وہ حقائق ظاہر ہوں گے جن تک دوسرے مفسرین کا ہاتھ نہیں پہنچا اس لئے کہ کتاب عزیز ایک بحر عمیق ہے جسکی تہ میں موتی ہیں اور ظاہر میں اخبار و حکایات۔ اور ان موتیوں کے چننے اور حقائق پر اطلاع حاصل کرنے میں لوگوں کے درجے مختلف ہیں۔ اسی مقام سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تفسیروں میں جو اختلاف ہے وہ مفسرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر کسی تفسیر میں عربیت کا غلبہ ہے جیسے کہ کشاف زمخشری۔ کسی میں حکمت و برہان کلامی کا جیسے کہ تفسیر مفاتیح الغیب رازی کسی میں قصص و حکایات ہی نظر آتے ہیں جیسے تفاسیر ثعلبی۔ کہیں تاویل حقائق کا زور ہے اور تفسیر ظاہر سے قطع نظر کی گئی ہے جیسے کہ تفسیر عبدالرزاق کاشی وغیرہ

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنجیدہ و فہمیدہ۔ ارباب علم نے روشنیٔ عقول کا سامان اس طرح کیا ہے کہ انہیں کتاب اللہ میں مزید غور و فکر کی ہدایت فرمائی۔ ہے اور اطلاع اقوالِ غیر پر قصر کرنے کو منع کیا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ذہن میں بلادت پیدا ہوتی ہے فی الحقیقت یہ دعوت اس آیۂ وافی ہدایہ " افلا یتدبرون القرآن الخ کے ماتحت کی گئی ہے۔ پس ان ارباب کمال کی نکتہ سنجی کی بنا پر اگر کوئی شخص کوئی نکتہ کتاب اللہ سے اخذ کرے تو مستحق مدح ہو گا۔ نہ کہ قابل مذمت لیکن حیف ہے ہمارے زمانہ پر کہ اسکے تمام قانون الٹے ہو گئے کوئی بات ٹھکانے کی نہ رہی۔ مولف صراط السوی

اگر اپنے اس قول میں منفرد قرار دئے جائیں اور وہ نتیجہ انھیں کا طبعزاد قرار دیا جائے جو انھوں نے آیۂ مذکورہ سے اخذ کیا ہے تو اہل ایمان کو بطیب خاطر ان کے دماغ کی رسائی کی داد دیتے ہوئے اسے قبول کرنا چاہیے نہ یہ کہ الٹی آستینیں مقابلہ کے لئے چڑھائی جائیں۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ مولف نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا بلکہ احادیث طاہرین کے لب لباب کو اپنے لفظوں میں ذکر کر دیا ہے۔ لیکن فاضل معترض نہایت تحکم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اس میں معنی ولی وغیرہ کا بیان کرنا کسی طرح مقصود نہیں۔ عجب تماشہ ہے ایک طرف تو حدیث پکار رہی ہے کہ اس سے ولایت مطلقہ محمدؐ و آل محمدؐ پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسری طرف معترض صاحب فرماتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ خدا کا مقصود یہ ہے ہی نہیں بلکہ خدا کا خاص مقصود وہی ہے جو آپ کے دماغ شریف پر نازل ہوا ہے۔ اس تحکم کا نام ہے تفسیر بالرائے۔ قانون عقل اور ارشادات معصومین کی بنا پر اخذ مطالب کرنے کو تفسیر بالرائے نہیں کہتے۔ پہلے کسی سے تفسیر بالرائے کے معنی پوچھ لئے ہوتے۔ پھر یہ لفظ لکھا ہوتا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ اس زمانہ کے بعض ملاؤں کو اہل بیت علیہم السلام سے کیوں اس قدر کاوش ہو رہی ہے۔ جہاں کوئی آیت یا حدیث ان بزرگواروں کے متعلق بیان ہوئی اور ان کے مرچیں لگیں فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔

خیر اس مقام سے معلوم ہوا کہ شان ولایت کیا ہے۔ یہی وہ اولیائے برحق ہیں جنہیں کلام خدا میں اُمّت مسلمہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی مخاطب صحیح ہیں ھو سمّٰکم المسلمین کے یہی وہ مسلم و موحد ہیں جنہیں کسی عالم میں کسی زمانے میں کسی عہد میں کسی حالت میں جاہلیت اور کفر نے مس نہیں کیا لم تنجسکم الجاھلیۃ بانجاسھا "تمہیں ہرگز جاہلیت نے اپنی نجاستوں سے نجس نہیں کیا" ان کی خاص شان ہے۔ یہی وہ مسلم ہیں جنکا وجود نزول ظاہری کتاب سے قبل موجود تھا جس کی خبر سورۂ قصص کی آیات میں موجود ہے۔ فقال سبحانہ تعالے لقد وصلنا لھم القول لعلھم یتذکرون ہم نے ان کے لئے قول خاص کو وصل کر دیا ہے جسمیں کوئی انقطاع نہیں ہے جو تا قیامت منفصل نہوگا، شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ عبرت حاصل کریں۔ نصیحت مانیں۔

اہل دیانت و عقل کو سوچنا چاہیے کہ یہاں قول سے کیا مراد ہے اور یہ "القول" کیا معنی

رکھتا ہے۔ واضح ہو کہ "قول" اور "کلمہ" تقریباً مترادف الفاظ ہیں یعنی جس طرح "قول" سے قائل کا مقصد ظاہر ہوتا ہے ہے۔ اسی طرح "کلمہ" سے متکلم کا مافی الضمیر معلوم ہوتا ہے۔ اس حقیقت قول و کلمہ پر نظر کرتے ہوئے جملہ موجودات قول خدا اور کلمۂ خدا ہے اس لئے کہ ذرّے ذرے سے منشائے قدرت آشکار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی موجودات کے باہمی تفاوت اور قوت و ضعف کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا پس جو شئے جس درجہ میں ہے اسی کے موافق وہ کلمہ خدا کہی جائیگی۔ یہاں تک کہ موجودات میں جو مخلوق سب سے اشرف واعلیٰ ہے بدرجۂ اولیٰ کلمۃ اللہ یا قول خدا کہا جائے گا۔ پھر یہ بھی مسلم ہے کہ موجودات عالم میں سب سے افضل اور اشرف طبقۂ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کا ہے۔ لہذا انہیں یقیناً کلمات اللہ کہا جائے گا اور وہی قول خدا متصور ہوں گے۔ اور یہ بھی چونکہ مسلمہ عقل ہے کہ کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی۔ لہذا یہ لفظ "کلمۃ اللہ" انہیں سے مخصوص ہوگا۔ اور افراد ناقصہ پر اس کا اطلاق شاید صحیح نہ ہوگا۔ بصیرت کے اس مشاہدے سے فیضیاب ہو کر جب کتاب اللہ کے وجود مکتوبی پر نظر پڑتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ "کلمہ" اس طبقے کے لئے استعمال ہوا ہے جیسا کہ حضرت عیسےٰ علےٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔ کلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ وہ (عیسےٰ) خدا کا کلمہ ہے جو مریم کی طرف القا کیا گیا۔ اور اس کی روح جزئی ہے اس کے بعد جب ہم ارشادات ائمۂ طاہرین پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ الفاظ نظر آتے ہیں نحن کلمۃ اللہ۔ ہم کلمۃ اللہ ہیں۔ بلکہ یہ کلمات۔ کلماتِ تامہ ہیں۔ چنانچہ بعض جگہ ان کلمات کی صفت "علیا" بیان کی گئی ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ یہ صفت قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔ آیۂ غار کے آخر میں فرماتا ہے "وکلمۃ اللہ ھی العلیا" خدا ہی کا کلمہ بزرگ و بلند مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے اس میں اپنے محبوب کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہی شان علو اللہ اہلبیت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہی توضیح جو کلمہ کے متعلق بیان کی گئی "قول" پر بھی صادق آئیگی۔ یعنی جس طرح ائمہ کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انہیں بلاخوف تردید "قول اللہ" بھی کہا جائے گا۔ اس دعوے کے اثبات کے اور بھی دلائل ہیں جنھیں سردست نظر انداز کیا جاتا ہے۔ المختصر جب وجودِ امام قول خدا قرار پا گیا تو آیت کے جزو مذکورہ میں القول سے مراد یہی بزرگوار ہونگے اور معنی توریت یہ ہونگے کہ لوگوں کی تذکر کے واسطے ان پر اتمام حجت کے لئے ہم نے یکے بعد دیگرے امام کو منصب فرمایا ہے۔ جب ایک امام اس عالم ظاہری سے اٹھتا ہے تو دوسرا امام اس کی مسند پر

بیٹھتا ہے۔ تاکہ حجت خدا سے زمین خالی نہ رہے۔ اس سلسلہ میں ہمیشہ اتصال ہے اور کبھی اس کے لئے انقطاع نہیں۔

موجودہ زمانہ میں چونکہ تدبر فی القرآن ایک ایسا جرم قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا اس لئے اہل علم خصوصاً تقلید کورانہ کے حامل اس میدان سے بہت دور جا پڑے اب وہ ذرا ذرا سی بات پر من فسر القرآن برائہ کی تلاوت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یقیناً محل تلاوت سے بے خبر ہیں۔ مندرجہ بالا تحریر متعلق وصلنا لھم القول کو دیکھکر ہمیں یقین ہے کہ بہت سی پیشانیاں متکبرانہ شکن سے آلودہ ہوں گی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ یہ غیظ و غضب کیوں لازمی ہو گیا تو ہم اس کا جواب یہی دے سکتے ہیں کہ آیات قرآنیہ سے فضائل ائمہ کا انکشاف اب مطبوع طبع مدعیان علم نہیں ہے۔ خیر ان کو ان کے حال پر چھوڑیئے۔ آپ آیئے ارشاد ائمہ کی جانب اور دیکھئے کہ ان بزرگواروں نے اس "قول" کی کیا تفسیر فرمائی ہے۔

صاحب تفسیر صافی اس جزو آیت کے ماتحت رقمطراز ہیں فی الکافی عن الکاظم امام الی امام والقمی عن الصادق امام بعد امام، ان علمائے ربانی کے ارشاد سے اہل بصیرت پر واضح ہو گیا کہ وصلنا لھم القول" سے مراد ایک امام کا دوسرے امام کے بعد منصوب ہونا ہے۔ لیجئے دو معصوموں کی شہادت موجود ہے۔ اب تو آپ یقین کر لیجئے کہ یہ آیت ائمہ کی شان میں ہے۔

موجودہ زمانہ میں اکثر شیعوں کی حالت اس درجہ بدتر ہو گئی ہے کہ اگر وہ اس آیت کے متعلق معصومین کی شہادت کو قبول کر لیں گے تو ہم سمجھیں گے کہ انھوں نے بڑا احسان کیا۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ "وصلنا لھم القول" سے مراد یکے بعد دیگرے امام کا قائم ہونا ہے۔ تو اب آیت کے ماقبی حصے پر نظر ڈالئے۔ جس سے یہ مطلب بالکل واضح ہو جائے گا اور اہل بصیرت کی آنکھیں نور ولایت ائمہ علیہم السلام سے روشن ہونگی۔

الذین آتیناھم الکتاب ھم بہ یومنون واذا یتلی علیھم قالوا آمنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ المسلمین"

وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں اور جس وقت یہ کتاب ان پر تلاوت کیجاتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم نے اس کی تصدیق کی بیشک یہ

ہمارے پروردگار کی طرف سے حق وصدق ہے اور ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے ۔

بیان ہو چکا ہے کہ حسب ارشاد معصوم و تدبر معقول شروع آیت میں ائمہ علیہم السلام کا ذکر ہے اب انہیں ائمہ کی شان بیان فرماتا ہے ۔ یعنے جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے یعنی حقیقت کتاب عطا فرمائی ہے ۔ وہی اس قرآن کی تصدیق واقعی کرتے ہیں ۔ اور اس تصدیق واقعی کی دلیل یہ ہے کہ جب ان پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ بلا توقف کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم بیشک اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ ہمارے پروردگار کی جانب سے حق وصدق ہے اور ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے ۔

الفاظ آیت پر ایک سرسری غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ کن بزرگوں کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں ۔ خصوصاً جب ہم سورۂ حج کی آخری آیات کو اس آیت کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں ۔ تو مطلب بالکل واضح اور روشن ہو جاتا ہے ۔

یاایھا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون اے صاحبان ایمان رکوع وسجود کرو اپنے رب کی عبادت کرو ۔ امور خیرات بجالاؤ تم ہی فلاح یافتہ ہو وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم ۔ خدا کی راہ میں حق جہاد بجالاؤ ۔ اس نے تمھیں مجتبیٰ کیا ہے اے اختارکم لدینہ ولنصرتہ اپنے دین کے لئے اپنی نصرت کے لئے تمہیں انتخاب کر لیا ہے فی الکافی عن الباقر علیہم السلام ایانا عنی ونحن المجتبون اس سے مراد ہم ہی ہیں اور ہم ہی مجتبیٰ ہیں ۔ ماجعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا ۔ تمہیں دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں ۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے ۔ اس سے پہلے بھی اور اس کتاب میں بھی (تم اس نام سے پکارے جاتے ہو)
قال ایانا عنی خاصۃ وقال عزوجل سمانا المسلمین من قبل فی الکتب التی مضت وفی ھذا القرآن حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ " ملۃ ابیکم ابراھیم " کے مخاطب ہمیں ہیں اور خداوند عزوجل نے ہمارا ہی نام مسلم رکھا ہے پہلی کتابوں میں بھی جو گذر چکیں اور اس قرآن میں بھی لیکون الرسول علیکم شہیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس تاکہ رسول تم پر شہید (یعنی گواہ) ہو اور تم باقی لوگوں پر ۔ قال فرسول اللہ الشھید علینا بما بلغنا عن اللہ تعالےٰ ونحن الشھداء علی الناس ۔ حضرت فرماتے ہیں ۔ پس رسول صلعم اس چیز پہ گواہ ہیں جو ہمیں منجانب اللہ پہنچی ہے اور

اور ہم شہید علی الناس ہیں۔

اس آیت مجیدہ اور تفسیر معصوم سے معلوم ہو گیا کہ "ھو سمٰکم المسلمین من قبل و فی ھذا" کے مخاطب صحیح ائمہ علیہم السلام ہیں۔ اس تفسیر کو مدنظر رکھکر اب نظر ڈالو آیت زیر بحث پر اور دیکھو کہ انا کنا من قبلہ مسلمین (ہم اس سے پہلے بھی مسلم تھے) کیا معنی دیتا ہے اور اس آیت کا تعلق کونسے نفوس مقدسہ سے ہے۔ اور یہ دعوئے اسلام بلاواسطہ کرنے والے کون بزرگوار ہیں۔

اب آیت کا باقی حصہ ملاحظہ ہو۔ اولئک یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا و یدرءون بالحسنۃ السیئۃ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے صبر کے عوض دوہرا اجر دیا جائے گا۔ یہی لوگ ہیں جو حسنۃ کے ساتھ سیئۃ کو دور کرتے ہیں۔

فی الکافی عن الصادق قال بما صبروا علی التقیہ وقال الحسنۃ التقیۃ والسیئۃ الاذاعۃ فی الکافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا اس صبر کرنے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے تقیہ پر صبر کیا اور فرمایا کہ حسنہ سے مراد تقیہ ہے اور سیئۃ سے مراد اظہار و اعلان یعنی ضد تقیہ۔

والقمی قال ھم الائمہ قمی کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ائمہ ہیں و مما رزقنا ھم ینفقون و اذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین۔

اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے وہ انفاق کرتے ہیں اور جس وقت کسی لغویات کو سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلین (اور شیوۂ جاہلین) کے قریب نہیں جاتے۔ جاہلین کو بھی سلام علیکم کہکر مخاطب کرنا حسن خلق کی ایک اعلے مثال ہے۔ اور یہ امر بھی گویا خصوصیات ولایت میں سے ہے جیساکہ پہلے گذرا۔

جو لوگ کہ سیرتِ ائمہ پر معمولی سی نظر رکھتے ہیں وہ یقین کرلیں گے کہ آیت کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ ائمہ آلِ محمدؐ سے تعلق رکھتا ہے۔ ہرگز کسی دوسرے کا دخل اس میں نہیں۔ چنانچہ تفسیر امام سے بھی الحمدللہ یہی بات ثابت ہے اور اس سے بہتر تسکین قلب کی دوا اور کونسی ہو سکتی ہے۔ اسی آیت کو مولف صراط السوی نے اپنی کتاب میں بہ ضمن مناقب صاحبانِ ولایت وارد کیا ہے۔ جسپر ایک مدعی علم اور تشیع بزرگوار فرماتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ کا مؤلف صاحب نے حضرات ائمہ طاہرین کی شان میں نازل ہونا اپنی کتاب صفحہ ۷۶ میں بھی تحریر فرمایا ہے جسکا ذکر اس سے قبل بھی آچکا ہے اور یہ ظاہر کیا جاچکا ہے

کہ اس شریفہ کو ان حضرات سے کوئی ربط و علاقہ نہیں ہے۔"

واضح ہو کہ معترض نے جو فی الحقیقت دینیات سے جاہل ہے کچھ نمبر قائم کئے ہیں۔ یعنی کتاب الصراط السوی کی غلطیاں نمبر وار گنوائی ہیں انھیں نمبروں میں اس غلطی کا بھی اظہار کیا ہے کہ مولف کتاب نے اس آیت کو ائمہ سے منسوب کرنے میں غلطی کی۔ ایک عجیب لطف یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کے الفاظ صرف یہ ہوتے ہیں" فلاں بات ٹھیک نہیں" "یہ مضمون صحیح نہیں" "یہ مضمون کسی نے نہیں لکھا" "یہ خلاف ضروری اسلام ہے" اور بس یعنی متکبرانہ ومعاندانہ دعوے کے سوا دلیل کسی مقام پر بیان نہیں کی۔ خدا جانے اس بد دماغ انسان نے اپنے آپ کو خدا سمجھا ہے رسول سمجھا ہے۔ امام سمجھا ہے؟ آخر ہے کیا معاملہ۔ ممکن ہے اس کے حاشیہ نشینوں میں ایسے اندھے موجود ہوں جو ہر بات کو اندھوں کی طرح قبول کر لیں لیکن تمام دنیا میں تو ایسے اندھے آباد نہیں۔

جن حضرات کی زبان کچھ بھی ذائقۂ علمی سے آشنا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مضمون حقائق و معارف ایک خاص علمی اور دیدہ ہائے بصیرت کو روشن کرنے والا مضمون ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اس مضمون میں جو الفاظ مخالف یا معترض کی نسبت لکھے جاتے ہیں وہ بظاہر اس مضمون کی متانت کے منافی ہیں۔ یہ سب صحیح ہے لیکن میں ایمان سے کہتا ہوں کہ وہ لوگ جو دیدہ و دانستہ حق پوشی کرتے ہیں اور شیعہ کہلا کر فضائل ائمہ کو مٹانا اور تفاسیر اہل بیت کو نسیاً منسیاً کرنا چاہتے ہیں وہ میرے نزدیک ان سے بھی زیادہ سخت الفاظ کے مستحق ہیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ مولوی سید محمد سبطین صاحب مؤلف صراط السوی سے ان کی دشمنی بہت پرانی ہے۔ اس قصہ کو تو بالائے طاق رکھئے کہ جب ایک پوری جماعت علمیہ نے نبی کو جاہل ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش کی تھی۔ یہ قصہ تو پرانا ہوگیا۔ اس کے بعد لطف یہ ہوا تھا کہ ایک رسالہ النبوۃ نامی شایع ہوا اور وہ مولوی صاحب ممدوح کے پاس بھی بغرض ریویو بھیجا گیا انھوں نے بعد اصرار اپنے رسالہ البرھان میں نہایت نرم الفاظ میں اس کے اغلاط کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس اشارہ نے غضب ڈھا دیا۔ وہی ہیں ہم اور ہمیر اعتراض" فوراً اس کا جواب تیار کیا گیا اور رسالہ البرہان کو بھیجا کہ اسے شایع کر دو۔ مولوی صاحب ممدوح نے نہایت انسانیت سے کام لے کر اس

جواب کو شائع کیا مگر اس کے ساتھ ہی جواب الجواب شائع کرکے بتا دیا کہ آپ لوگوں کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس جواب الجواب نے ٹھنڈا کر دیا۔ اور پھر لب کشائی کی اُنھیں جرأت نہ ہوئی۔ اب جب مولوی صاحب موصوف کی تالیفات شایع ہوئیں تو انھوں نے سوچا کہ آؤ کسی طرح تو دل کا بخار نکال لیں۔ چنانچہ ایک غیر ذمہ دار معمولی طالب علم کے نام سے کتاب الصراط السوی پر اعتراضات شائع کئے گئے۔

ان حضرات کا ایک عجیب قاعدہ یہ بھی ہے کہ مضمون خود لکھتے ہیں اور کسی غیر ذمہ دار شخص کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ جو کچھ آفت آئے وہ سامنے والے پر آئے۔ اور ہم پبلک کی نگاہوں سے بچے رہیں بلکہ اگر مصلحت وقت ہو تو صاف انکار کر جائیں۔ واللہ باللہ ثم باللہ یہ تو گویا تکیہ کلام ہے۔ لیکن ہم ان چالوں سے خوب واقف ہو چکے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ اس پردۂ زنگاری میں کس کی عشوہ طرازی ہے۔

خیر عمر۔ بکر خالد ہر کہ باشد۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولوی سید محمد سبطین صاحب سلمہ اللہ کی کتاب کا موضوع ہے "دلائل وجود امام عصر و اظہار مناقب ائمہ اطہار"

اب معترض صاحب کھڑے ہوتے ہیں ان دلائل کے مٹانے اور ان مناقب کی تردید کرنے کے لئے۔ سبحان اللہ کتنا دلچسپ کام ان کے تفویض ہوا ہے ؏

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

مولف صراط السوی کو اثبات فضائل و مناقب مبارک اور معترض کو انکار فضائل۔ یہیں سے اہل دیانت معلوم کر سکتے ہیں کہ حق کس طرف ہے۔

اب دیکھئے سورۂ قصص کی وہ آیت جس کی نسبت ہم نے بحمد اللہ ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق ائمہ سے ہے۔ خود ارشادات ائمہ موجود ہیں۔ جس سے اہل بصیرت نے سمجھ لیا ہوگا کہ آیت کا مصداق کون ہیں۔ لیکن معترض صاحب کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا کہ انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ ائمہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ان کے دل میں امام کی ذرا بھی محبت ہوتی تو ہرگز ایسی جرأت نکرتے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ پھر آیت کا مصداق کون ہیں؟ غالباً بلکہ یقیناً وہی، اعتقاد عوام معترض کے دل

میں بھی قائم ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ دعوےٰ تسلیم ہو سکتا ہے مگر دلائل سے ثابت کرو کہ وہ کون سے یہودی اور نصرانی ہیں جو ان اوصاف سے متصف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ وہ کونسے یہودی یا نصرانی تھے جنھوں نے تلاوتِ قرآن سنتے ہی کہدیا امنا بہ انہ الحق من ربنا ہم نے اس کی تصدیق کی (ماضی کا صیغہ ہے ملحوظ رہے) بیشک یہ ہمارے پروردگار کی طرف سے حق و صدق ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعوےٰ کیا انا کنا من قبلہ مسلمین ہم اس سے قبل ہی مسلم تھے۔ علاوہ اس کے دوسرے صفات بھی جو آیت میں ذکر کئے گئے ہیں ان میں موجود ہوں۔ لاؤ ایسے یہودیوں اور نصرانیوں کو پیش کرو۔ یہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا۔ اب تو معلوم ہوا کہ یہودیوں کی محبت کا اس طرح چپکے چپکے ظاہر کرنا کچھ نہ کچھ معنی رکھتا ہے یہ ہوتا ہے نتیجہ ائمہ سے مخالفت کرنے اور ان کے مناقب مٹانے کی کوشش کرنے کا۔ امام کی محبت دل سے نکلتی ہے اور یہودیت اسکی جگہ لیتی ہے۔ افسوس ہزار افسوس۔

بہر طور ارباب ایمان کو یقین رکھنا پڑے گا کہ یہ بزرگوار دعوت اسلام ظاہری سے پہلے ہی مسلم تھے۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف قائل ہو اور پھر شیعہ ہو کر اس امر کا دعویٰ کرے تو اسے صاف اعلان کرنا چاہئے کہ جب تک اسلام کی دعوت ظاہری متحقق نہ ہوئی تھی اس سے قبل ان بزرگواروں کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور جب اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا تو لامحالہ کسی ایسے طریقے سے تعلق تھا جو خلاف اسلام تھا۔

واضح ہو کہ امیرؑ المومنین سید المسلمین کی عمر مبارک دس گیارہ سال کی تھی جب اسلام کی دعوت آشکار ہوئی اور بخیال معترضین اسی وقت امیرؑ المومنین بھی اسلام لائے تو اس سے پہلے جناب امیر المومنینؑ کی عمر کا یہ حصہ کون سے دین کی پیروی میں بسر ہوا؟ اگر یہ کہا جائے کہ بسر تو کفر کی حالت میں ہوا لیکن بچے کا کفر معتبر نہیں ہے تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جب بچے کا کفر معتبر نہیں تو پھر اسکا اسلام کیوں معتبر ہونے لگا۔ اب تو معلوم ہو گیا کہ علمائے اہل خلاف نے جو سبقت اسلام علیؑ ابن ابیطالب پر اعتراض کیا ہے یعنی یہ کہ بچے کا اسلام معتبر نہیں وہ ان حضرات کے معتقدات کی رو سے بالکل صحیح ہے اور یہ بھی اسی عقیدے کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ الفاظ بدلے ہوئے ہوں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ افسوس ہے کہ شیعوں کے خیالات اور ان کے اعتقادات کس درجہ

مسموم ہو گئے ہیں۔

تحقیق مقام ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے اسلام لانے کے ہرگز وہ معنی نہیں ہیں جو عوام کے نزدیک مسلم ہیں۔ بلکہ اس سے مراد نفس تصدیق ہے یعنی علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اولاً تصدیق رسالت کماحقہ کی۔ اور تصدیق واقعی کسی شئے کی وہی کر سکتا ہے جو اس کے متعلق اتنا علم رکھتا ہو کہ اس سے فوق متصور نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ شخص جو اس سے زیادہ اس شئے کا علم رکھتا ہے وہی مصدق واقعی کہلائے گا نہ کہ یہ۔ اسی لئے حضرت امیر صلوات اللہ علیہ کے اسلام کی وہ شان ہے کہ جس کے مقابلہ میں کسی کا اسلام نہیں آسکتا۔ بلکہ یوں کہوں کہ جو شان اسلام محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ و آلہ کی ہے وہی اسلام جناب امیرؑ کی۔ اور یہی شان باقی ائمہ میں موجود ہے۔ کیونکہ یہ سب جزو نور احمدی ہیں۔ یہ اسلام وہ اسلام ہے جس کی منزلت کو انبیائے ماسبق میں سے کسی کا اسلام نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ مسلم حقیقی یہی ہیں اور دیگر انبیائے رسل کا اسلام انھیں کے اسلام کے ماتحت ہے۔

جو لوگ قرآن میں تدبر کرتے ہیں انھیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علے نبینا و علیہم السلام کی شان ایک جگہ قرآن نے یہ بیان کی ہے وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین اسی طرح ہم نے ابراہیم کو زمین و آسمان کے ملکوت دکھا دیئے اس لئے کہ وہ اہل ایقان میں سے ہو۔

اپنا مطلب اخذ کرنے سے قبل ایک بات اس آیت کے متعلق سن لیجئے۔ جابر بن یزید جعفی نے (جو حاملان اسرار میں سے تھے) حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت کی نسبت استفسار کیا حضرت نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور جابر سے کہا کہ اپنا سر اٹھاؤ۔ جابر کہتے ہیں کہ جب میں نے سر اٹھایا تو چھت کو متفرق دیکھا۔ ایک سوراخ پر میری نظر پڑی میں نے ایک نور دیکھا جس سے میری نگاہ تجاوز کر گئی اس وقت حضرت نے فرمایا کہ اسی طرح ابراہیم نے ملکوت زمین و آسمان دیکھے تھے۔ اب تو زمین کی طرف دیکھ اور پھر اپنا سر اٹھا۔ جب میں نے سر اٹھایا تو سقف کو بحالت اول دیکھا اور پھر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا مکان سے باہر لائے ایک کپڑا مجھے پہنایا۔ اور فرمایا کہ ایک ساعت اپنی آنکھیں بند کر لو میں نے تعمیل کی۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تم ظلمات میں ہو جسے ذوالقرنین نے دیکھا تھا میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں کچھ اس مقام پر داندھیرے کے سبب سے)

نظر نہ آیا - پھر میں ایک قدم چلا - حضرت نے فرمایا کہ اب تم خضر کے چشمۂ حیات کے کنارے پر ہو پھر ہم اس عالم سے نکلے - یہان تک کہ پانچ (عالموں) سے تجاوز کر گئے - حضرت نے فرمایا یہ ملکوت ارض ہے - پھر فرمایا آنکھیں بند کرلو اور میرا ہاتھ پکڑلیا - یکایک ہم اسی مکان میں پہنچ گئے جس میں سے چلے تھے اور پھر وہ کپڑا اتار لیا جسے میں نے پہنا تھا۔

اس سے ملکوتِ ارض کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوا - اب آئیے ملکوت السموات پر غور کریں اور دیکھیں کہ فی الحقیقت ملکوت السموات و الارض کیا ہے۔

کحل الناظرین فی تفضیل الزہراء علے الانبیاء والمرسلین ہولفہ مولانا السید محمد مرتضے جونپوری میں معالم الزلفی سے نقل کیا ہے۔

عن عبد اللہ بن ابی اوفی عن رسول اللہ انہ قال لما خلق اللہ ابراھیم الخلیل کشف لہ عن بصرہ فنظر الے جانب العرش نوراً فقال الٰھی سیدی ماھذا النور فقال یا ابراھیم ھذا محمدٌ مصفیٌ فقال الٰھی وسیدی اری الی جانبہ نوراً اخر قال یا ابراھیم ھذا علے ناصر دینی فقال الٰھی وسیدی اری الے جانبھما نوراً ثالثاً یلی النورین قال یا ابراھیم ھذہ فاطمۃ یلی اباھا وبعلھا فطمت محبیھا من النار قال الٰھی وسیدی اری نورین یلیان الثلاثۃ الانوار قال یا ابراھیم ھذان الحسن والحسین یلیان اباھما وامھما وجدھما قال الٰھی وسیدی انی اری تسعۃ انوار احدقوا بالخمسۃ الانوار قال یا ابراھیم ھذہ الائمۃ من ولدھم قال الٰھی وسیدی وبمن یعرفون قال یا ابراھیم اولھم علے ابن الحسین ومحمد ولد علیٍ وجعفر ولد محمد وموسی ولد جعفر وعلے ولد موسی ومحمد ولد علی وعلے ولد محمد والحسن ولد علی و م ح م د ولد الحسن القائم المھدی قال الٰھی وسیدی ارے عدۃ انوار حولھم لا یحصی عدتھم الا انت قیل یا ابراھیم ھؤلاءِ شیعتھم ومحبوھم قال الٰھی وبمن یعرفون شیعتھم ومحبوھم قال یا ابراھیم بصلوۃ احدا والخمسین والجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم والقنوت قبل الرکوع وسجدۃ الشکر والتختم بالیمین قال ابراھیم الٰھی اجعلنی من شیعتھم ومحبیھم قال قد جعلتک فانزل اللہ وان

من شیعتہٖ لابراھیم اذجاء ربہٗ بقلب سلیم۔

عبداللہ ابن اوفی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ سے روایت کیا ہے کہ آں حضرت نے فرمایا کہ جس وقت خداوند جل وعلا نے ابراہیم کو خلق فرمایا تو ان کی آنکھوں سے حجاب اٹھا دئے اس وقت ابراہیم نے جانب عرش نظر کی تو ایک نور ملاحظہ کیا۔ اور عرض کرنے لگے کہ اے میرے معبود۔ میرے سردار یہ نور کیا ہے؟ خطاب ہوا کہ یہ محمدؐ میرا صفی ہے۔ عرض کی خداوندا اس کے پہلو میں ایک اور نور بھی جلوہ افروز ہے ارشاد ہوا کہ یہ علیؑ میرے دین کا ناصر ہے عرض کیا کہ یا بار الٰہا ان دونوں کے پہلو میں ایک تیسرا نور بھی ہے۔ خطاب پہنچا کہ یہ فاطمہؑ ہے جو اپنے باپ اور اپنے شوہر سے متصل ہے اس نے اپنے محبوں کو جہنم سے چھڑا لیا۔ عرض کیا خداوندا دو نور اور بھی ان تینوں انوار سے متصل ہیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ حسنؑ اور حسینؑ ہیں جو اپنے باپ اور اپنی ماں اور اپنے جد کے نور سے متصل ہیں۔ عرض کیا بار الٰہا نو نور اور ہیں جو ان انوار خمسہ کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم یہ ائمہ ہیں۔ جو ان (خمسہ نجبا) کی اولاد سے ہوں گے۔ عرض کیا! خداوندا یہ کیونکر شناخت کئے جائیں (ان کے نام کیا ہیں) فرمایا ان کا اول علیؑ ابن الحسینؑ ہے۔ پھر محمدؑ ابن علیؑ جعفرؑ ابن محمدؑ۔ موسےٰؑ بن جعفرؑ۔ علیؑ ابن موسےٰؑ۔ محمدؑ ابن علیؑ علیؑ ابن محمدؑ حسنؑ بن علیؑ۔ م۔ ح۔ م۔ د بن الحسن القائم المہدیؑ۔ عرض کیا خداوندا میں بہت سے انوار ان کے گرد بھی دیکھ رہا ہوں۔ جن کا شمار سوائے تیرے اور کوئی نہیں جانتا۔ خطاب پہنچا کہ اے ابراہیم یہ ان کے شیعہ اور ان کے محب ہیں۔ عرض کیا کہ ان کے شیعوں کی شناخت کیا ہے فرمایا اکیاون رکعت نماز پڑھنا۔ بسم اللہ بالجہر کہنا۔ رکوع سے قبل قنوت پڑھنا۔ سجدۂ شکر بجا لانا اور دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔ اس وقت ابراہیم عرض کرنے لگے کہ خداوندا مجھے بھی ان کے شیعوں میں سے قرار دے۔ حکم پہنچا کہ ہم نے قرار دیا۔ پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بتحقیق اس کے شیعوں میں سے البتہ ابراہیم ہے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لیکر آیا

اس حدیث مقدس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم کو نور محمدؐ و آل محمدؐ کی زیارت کرائی گئی اور اسی نور کو ملکوت السموات و الارض کہا گیا ہے اور اسی کو دیکھکر حضرت ابراہیم درجۂ حق الیقین پر فائز ہوئے۔ انہیں کی ولایت کو حضرت نے اپنی ملت قرار دیا۔ یہی ملت ابراہیمی قیامت تک

کے لئے واجب الاتباع قرار پائی جس سے سوائے بے وقوف اور احمق کے اور کوئی اعراض نہیں کر سکتا۔ ومن یرغبُ عن ملة ابراھیم الا من سفہ نفسہ؛ انہیں کی عظمت وشان وجلالت قدر دیکھکر آپ نے ان کا نام مسلم رکھا۔ یعنی یہی بزرگوار سالم از زوال وفنا و باقی ببقاء اللہ ہیں۔

ارباب یقین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مسلم اول یہی بزرگوار ہیں اور ایسے ہی بزرگوار کہہ سکتے ہیں انا کنا من قبلہ مسلمین" یہی اس وقت سے مسلم ہیں جب مخلوق میں کسی دوسرے مسلم کا وجود نہ تھا۔ یہ اس وقت سے موحد ہیں جب ان کے سوا اور کوئی موحد نہ تھا۔ جس نے توحید سیکھی انہیں سے سیکھی۔ جبرئیل ان کے مکتب کے ادنےٰ شاگرد اور میکائیل ان کے دروازے کے معمولی پاسبان کونسی فضیلت ہے جو آلِ محمدؐ کو نہیں ملی اور کونسی فضیلت ہے جو ان سے جدا رہ گئی۔ بلکہ فضیلت فضیلت ہی نہیں ہے جب تک کہ اس کا وجود ان میں متحقق نہو پس اب یہ کہنا کہ آیات سورہ قصص سے ان بزرگواروں کا کوئی تعلق نہیں ایک عنادِ صریح ہے اور پھر ایسا عناد جو دوستی کے پردہ میں ظاہر کیا جا رہا ہے۔ یہ بدترین عناد ہے اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔

وہ اسلام جس کی ہم بحث کر رہے ہیں اس کی مزید توضیح کے لئے آیات سورۂ بقر ملاحظہ ہوں۔ واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امةً مسلمةً لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔

اس وقت کو یاد کرو جب کہ ابراہیم و اسمعیل خانہ کعبہ کی دیواریں بناتے جاتے رہے ہیں اور دعا کرتے جاتے ہیں کہ خداوندا ہماری ان خدمات کو قبول فرما بتحقیق کہ تو سمیع وعلیم ہے۔ خداوندا اور ہم دونوں کو اپنا مسلمان بنا اور ہماری ذریت میں سے ایک امت مسلمہ پیدا کر ہمیں ہماری عبادت کے مقامات یا طریقے دکھا ہماری بازگشت کو قبول فرما بیشک تو ہی بازگشت کو قبول کرنے والا اور صاحب رحمت ہے۔ خداوندا اسی امت مسلمہ میں ایک رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے۔ انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ ان کا تزکیہ کرے (تزکیہ کا اعلان کرے) بتحقیق کہ وہ صاحب عزت وصاحب حکمت ہے۔

ان آیات سے بہت سے مطالب استخراج کئے جا سکتے ہیں۔ مختصر اشارہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت میں ایک امت مسلمہ کی درخواست کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس امت مسلمہ کے لئے ایسے ہی اسلام کی خواہش فرمائی ہے جیسے کہ خود ان کا اسلام تھا۔ اسی امت مسلمہ میں سے ایک رسول کے مبعوث ہونے کی بھی دعا ہے جس سے صریح یہ نکلتا ہے کہ امت مسلمہ موجود ہو اور اس میں سے ایک رسول ظاہر ہو یہ نہیں کہ جب رسول مبعوث ہو چکے تو اس کی بعثت کے سبب سے وہ گروہ اسلام لائے۔ ان امور کو مدنظر رکھکر دیکھیے کہ ذریت ابراہیمی میں ایسا کونسا گروہ ہے جو واقعی امت مسلمہ کہلانے کا مستحق ہے اور اسی میں سے ایک رسول کی بعثت ہوئی۔ جسنے اس امت مسلمہ پر آیات الہی کی تلاوت کی انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی انکا تزکیہ کیا۔ انما یرید اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب صاحبان فکر غور کریں کہ اس امت مسلمہ پر جس کا وجود وقت بعثت موجود تھا جب آیات الہی کی تلاوت کی گئی ہوگی تو اُسنے ان آیات کو سنکر کیا جواب دیا ہوگا اور اسے کیا جواب دینا چاہیے تھا۔ سوائے اس کے کہ یہ گروہ اور کچھ جواب نہیں دے سکتا تھا یعنی انما بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین پس اندریں صورت آیات سورہ قصص آیات سورۂ بقر کی توضیح کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کر رہی ہیں کہ دعائے خلیل مستجاب ہوئی۔ انکی ذریت سے ایک امت مسلمہ کا ظہور ہوا اسی امت مسلمہ میں سے ایک رسول مبعوث ہوا اس نے آیاتِ الہی کی تلاوت کی جنھیں سنکر امتِ مسلمہ نے تصدیق کرتے ہوئے اس امر کا بھی اعلان کیا کہ حسب دعائے ابراہیمی ہمارا وجود بعثت ظاہری سے قبل موجود ہے۔ اور ہم اس سے پہلے ہی مسلم ہیں۔

اس تطابق واقعات کو دیکھتے ہوئے کون ایسا مرد مومن ہے جو آیات سورۂ قصص کو ائمہ علیہم السلام سے دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ الا من سفہ نفسہٗ

سب سے مشہور آیت ان بزرگواروں کے سبقت اسلام کے متعلق آیۂ تطہیر ہے۔ یہ وہ معرکۃ الآرا آیت ہے جسے ہمیشہ علمائے شیعہ نے مخالفین کے سامنے بطور ایک حجت قاہرہ کے پیش کیا ہے۔ یہ ایک ایسی آیت ہے جو تقریباً ہر پڑھے لکھے شیعہ کی زبان پر ہے۔ ہم اسی آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ اور پھر بتاتے ہیں کہ سورۂ قصص کی آیت کا مواد سوائے

ائمہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ قال اللہ سبحانہ تعالیٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً

جز این نیست کہ خداوند عالم ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے وہ رجس کو بالکلیہ دور کردے اور تمہیں ایسا پاک کرے جو پاک کرنے کا حق ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ مفہوم آیت تطہیر مطلق کا مقتضی ہے یعنے جو لوگ اس آیت کے مخاطب ہیں ان سے رجس قطعاً دور ہو اور وہ ہر طرح سے طاہر و مطہر ہوں۔ اور یہ ارادۂ خدائی ہے اس ارادہ کے متعلق دیکھنا یہ ہے کہ یہ ارادہ تکلیفی ہے یا تکوینی اگر اس ارادہ کو تکلیفی تسلیم کیا جائے یعنی اس کا پورا کرنا مخاطبین کے افعال پر موقوف ہو تو مشکل اور سخت مشکل ہے بلکہ یہ ایک تکلیف مالایطاق ہے جو کسی حکیم کی طرف سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ مفہوم آیت جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے تطہیر مطلق کا مقتضی ہے۔ چنانچہ آیت کا شروع لفظ "انما" سے ہوا ہے اور اختتام مفعول مطلق پر تاکید سے ہی شروع ہے اور تاکید پر ہی ختم۔

اب یہ بھی اندازہ کرو کہ تطہیر مطلق کے معنی کیا ہیں؟ تطہیر مطلق کے معنی یہ ہیں کہ من المھد الی اللحد کسی قسم کی خرابی۔ برائی۔ نجاست۔ مخاطب سے ظاہر نہ ہو۔ ظاہر نہ ہونا کیا معنی اس میں موجود ہی نہ ہو۔ ہر حالت میں طہارت و عصمت کی گود میں اسکی بسر ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تطہیر انسان کے قبضے سے باہر ہے۔ یعنی وہ بطور خود ہرگز اس قسم کی طہارت حاصل نہیں کرسکتا اور کسی شخص میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے نطفے کو جس سے اس کی پیدائش ہوئی ہے سوائے ارحام مطہرات و اصلاب طاہرین کے دوسری جگہ منتقل نہ ہونے دے یہ بات صرف ایسے لوگوں کے لئے ہے جسکی شان یہ ہو۔ الذی یریٰک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین۔

یعنی ای پیغمبر خدا وہ ہے جو تیرے قیام کو (جب تو ظاہر ہو کر دعوت الی الحق کے لئے کھڑا ہوا) اور تیرے تقلب فی الساجدین کو (جب تو ایک سجدہ کرنے والے کی پشت سے دوسرے سجدہ کرنیوالے کی پشت میں منتقل ہو رہا تھا) دیکھ رہا ہے (ہر حالت میں تیرا محافظ ہے) پس اس قسم کی تطہیر حاصل نہیں ہو سکتی مگر بموہبت الٰہی و عطیہ خداوندی یہ انسان کے بس کا کام نہیں کوئی مخلوق اس قسم کی تطہیر بطور خود حاصل نہیں کر سکتی لہذا معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میں ارادۂ الٰہی ارادہ تکلیفی

نہیں ہے جس کا پورا ہونا بندوں کے افعال پر موقوف ہو بلکہ یہ ارادہ تکوینی ہے جس کا تعلق صرف ذات باری سے ہے۔

جب یہ محقق ہو چکا کہ یہاں ارادہ اپنی تکوین کی شان لئے ہوئے ہے تو اب اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان لوگوں کو جو آیت کے مخاطب ہیں خدا نے طاہر و مطہر خلق فرمایا اور ہر قسم کی نجاست سے انھیں محفوظ رکھا اس مقام پر بھی دو شقیں ہیں یا تو وقت خلقت انھیں تھوڑی سی تطہیر عطا فرمائی اور پھر رفتہ رفتہ انھیں تطہیر کامل کے عرش پر پہنچا دیا۔ یا یہ کہ ابتدا سے ہی کامل و مکمل تطہیر انھیں عطا کی۔ شق اول مہمل اور باطل ہے اس لئے کہ اول تو مفہوم آیت کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ کوئی ایسی وجہ حکمی موجود نہیں جس کی بنا پر ایسے بزرگوں کو اولاً تطہیر کامل سے محروم رکھا جائے۔ بس جب شق اول باطل ٹھری تو لامحالا شق ثانی کا ثبوت ہو گیا۔ یعنی یہ کہ خداوند عالم نے انہیں اول خلقت میں ہی خلعت تطہیر کامل سے سرفراز کیا۔

اتنا معلوم ہونے کے بعد اب خیال فرمائیے کہ تطہیر کامل نہیں مل سکتی مگر موحد کامل کو اور موحد کامل نہیں ہو سکتا مگر مسلم حقیقی۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ بزرگوار ابتدائے خلقت سے ہی موحد کامل اور مسلم حقیقی تھے اور ان کا کمال اس پیمانہ پر تھا کہ جس پر ان کا سایہ لطف پڑ گیا وہ بھی کامل ہو گیا۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سبحنا فسبحت الملائکۃ بتسبیحنا وقدسنا فقدست الملائکۃ بتقدیسنا۔ الحدیث: ہم نے خدا کی تسبیح کی اور ہماری تسبیح کے سبب سے ملائکہ نے تسبیح کی ہم نے تقدیس کی۔ پس ہماری تقدیس کے سبب سے ملائکہ تقدیس کرنے لگے۔

بعض جہال نے یہ شبہہ دماغوں میں پیدا کر دیا ہے کہ عالم ارواح کی حالتیں اور ہیں اور عالم اجسام کی اور جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ عالم انوار میں یہ جن کمالات کے حامل تھے ضروری نہیں ہے کہ عالم اجسام میں بھی ان میں وہی کمالات پائے جائیں۔ یہ جاہلانہ شبہ اس لئے پیدا ہوا ہے کہ یہ لوگ اپنے ہی تاریک نفوس پر ان بزرگواروں کو قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس سے ممانعت اور سخت ممانعت وارد ہوئی ہے۔

قال سید الموحدین امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام یا سلمان ان میتنا

اذا مات لم یمت وان قتلینا اذا قتل لم یقتل وان غائبنا اذا غاب لم یغب ولم نلد ولم نولد فی البطون ولا یقاس بنا احد من الناس۔ اے سلمان ہم میں سے کوئی مر جائے تو وہ مردہ نہیں اور ہمارا قتیل اگر قتل کیا جائے تو وہ قتل نہیں ہوا اور ہم میں سے اگر کوئی غائب ہو تو وہ غائب نہیں ہوا اور ہمارا سلسلہ توالد و تناسل بطون میں نہیں ہے اور لوگوں میں سے کوئی بھی ہم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس حدیث مقدس کی صرف آخری فقرے سے ہمارا مطلب اس مقام پر متعلق ہے اور یہ فقرہ متعدد احادیث میں موجود ہے مگر یار لوگ پھر بھی باز نہیں آتے وہ برابر اپنے ہی نفس پر انھیں قیاس کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ان کے مخالفین نے ہمیشہ یہ اعتراض کیا ہے۔ ان انتم الا بشر مثلنا تم تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو (پھر تم پر یہ خدائی انعامات کیسے ہو سکتے ہیں) اسی گڑھے میں وہ جماعت بھی گر رہی ہے جو دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے نفس پر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا قیاس کر رہی ہے۔ بہر طور اہل دیانت کے نزدیک یہ شبہ بالکل باطل ہے جس کا ماخذ سوائے عدم ایمان اور کوئی چیز نہیں۔ ارشاد مشہور لم تنجسکم الجاھلیۃ بانجاسھا میں "لم" ماضی منفی کے معنی دے رہا ہے اور اس فقرے کے یہی معنی ہیں کہ تمہیں (اے صاحبان تطہیر مطلق) کسی حالت میں بھی جاہلیت نے مس نہیں کیا۔ جس کا مفہوم یہی نکلے گا کہ وہ ایک آنِ واحد کے لئے بھی اسلام سے الگ نہیں ہوئے۔

واضح ہو کہ حقیقت جاہلیت (کفر) ظلمت ہے اور حقیقت اسلام نور پس نورانی مخلوق میں ظلمت کا اثبات کرنا فی الحقیقت ان کی نورانیت سے انکار کرنا ہے اور اثبات ظلمت یہی ہے کہ ان کے لئے سوائے دین اسلام (کسی حالت میں بھی) کوئی دوسرا دین ثابت کرنے کی لغو کوشش کی جائے ان الدین عند اللہ الاسلام دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ جو شخص سوائے اسلام کے اور کوئی دین اختیار کرے تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

غرض یہ آیت وافی ہدایت صریح دلالت کر رہی ہے اس امر پر کہ اس کے مخاطب ہر قسم کی نجاستوں سے الگ ہیں اور ہمیشہ سے حامل اسلام ہوتی ہیں پس ایسے ہی لوگ حقیقی طور پر کہہ سکتے ہیں انا کنا من قبلہ مسلمین ہم پہلے ہی سے مسلم تھے۔ پس اس آیت سورۂ قصص کا

مورد صحیح یہی بزرگوار ہیں نہ کہ غیر۔
ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ آخر کیا سوچ کر انکار کیا گیا ہے اور کس دلیل پر اس دعوے کی بنیاد قایم کی گئی ہے۔ کیا یہ مضمون اصول عقلیہ سے منافات رکھتا ہے یا احادیث اس کے خلاف پر دال ہیں۔ آخر ہے کیا معاملہ؟ اگر معترض کا دل اسکو قبول نہیں کرتا قبول کرنا تو میا صدق نہیں ہے ان کا دل کج ہو گیا ہے۔ وہ کیونکر صراطِ مستقیم کو قبول کر سکتا ہے۔
اس تمام بحث سے ناظرین اس یقین تک پہنچگئے ہوں گے کہ آیات سورۃ قصص کے موردِ صحیح ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں۔ جس کے متعلق کافی توضیح کی جا چکی ہے اور معترض نے جو اس انکار کیا ہے۔ اس انکار کی دو وجہ سمجھ میں آتی ہیں یا تو وہ قرآن و حدیث سے جاہل ہے یا وہ کسی اور مذہب کا آدمی ہے جو لباس تشیع پہنکر شیعوں کے عقائد خراب کرنا چاہتا ہے۔
فی الحقیقۃ یہ اسلام جس کی بحث کی جا رہی ہے یعنی اسلام بلا واسطہ یہ خصوصیات نبوت و امامت میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ کے بزرگوار سب ایسے ہی اسلام کے حامل ہوتے ہیں۔ ہم بر سبیل تنزل یہ دریافت کرنے کے مجاز ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کل مولود یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اب اس کے ماں باپ خواہ اس کو یہودی بنالیں یا نصرانی یا مجوسی۔ پس جب کہ ہر ایک بچہ کے لئے اسلام پر پیدا ہونا ثابت ہے تو ائمہ علیہم السلام کے لئے کیوں اتنے استبعادات کئے جا رہے ہیں بیشک حضرت علیؑ قبل ظہور اسلام مسلم تھے کیونکہ یہ حدیث تو ہر ایک مولود کے لئے اسلام ثابت کر رہی ہے پھر علیؑ مرتضٰے کو اس سے کیوں خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ تو اچھی خاصی دشمنی ٹھہری ہاں! اس صورت میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ہر ایک مولود کے لئے یہ بات ثابت ہی تو پھر ائمہ کے لئے ایسے اسلام میں کونسی فضیلت نکل آئے گی۔ یہ خیال بھی قصور نظر کی وجہ سے ہے ورنہ ان بزرگواروں میں اور دیگر عوام الناس میں جو جو امور مابہ الامتیاز ہیں وہ بالکل روشن اور مبرہن ہیں۔ سنئے!
(۱) دوسرے موالید کی فطرت میں تغیر و تغیر ہو سکتا ہے۔ یہاں تغیر کو دخل نہیں۔ مثال موجود ہے۔ اور صریح مثال وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ خلیل کی تربیت ان کے چچا آذر کے

ہاتھوں میں ہوئی جو بت تراش اور بت پرست تھا۔ ضروری ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم کی فطرت کو متغیر کرنا چاہا ہو۔ لیکن اس کا نتیجہ جو کچھ نکلا وہ ظاہر ہے۔ پس ان بزرگوں کی فطرت کسی مربی کے زیر اثر آکر تغیر اختیار نہیں کرتی برخلاف دوسرے بچوں کے کہ وہ اپنے اپنے مربی کے زیر اثر ہوتے ہیں اور عموماً اسی کے دین کے قبول کرنے والے۔

(۲) دوسرے مولید عوام ہرگز اس راز فطرت سے خبردار نہیں ہوتے۔ اس لئے اس فطرت کی حفاظت کے لیے ------------- ان کی طرف سے کوئی جد وجہد عمل میں نہیں آتی۔ اگر کوئی مربی اچھا مل گیا تو یہ فطرت بحال خود باقی رہتی ہے ورنہ مردہ ہو جاتی ہے گویا نہیں ہر وقت ایک محیی فطرت کی ضرورت ہے۔ برخلاف ان بزرگواروں کی فطرت کے کہ یہ ہر وقت زندہ ہے۔ بلکہ زندہ کرنے والی اور حیات بخش عالم۔

(۳) دوسرے بچوں کی فطرت کا کمال (بشرطیکہ مربی کامل ملجائے) رفتہ رفتہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی اس کے جتنے کمالات ہیں سب تدریجی ہیں لیکن ان بزرگواروں کی فطرت مستقیمہ ہرگز پابند تدریج نہیں۔ اس کے جتنے کمالات ہیں سب بالفعل موجود ہوتے ہیں "صغارنا کبارنا" ان بزرگواروں کا ارشاد مشہور و معروف ہے۔ بچپن۔ شباب۔ کہولت۔ شیخوخت وغیرہ کا تغیر ایک تغیر ظاہری ہوتا ہے نہ کہ باطناً۔ ان کی سیرتوں پر ان چیزوں کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا انا اھل البیت لا نوقت ہم اہلبیت پابند وقت نہیں یعنی وقت ہم پر حکمراں نہیں۔ بلکہ ہم اس پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ ارشاد ہے تو ظہور حضرت قائم کے متعلق یعنی ذکر ظہور کے وقت ارشاد ہوا ہے لیکن اس میں جو تعمیم ہے وہ مفید مطلوب ہے جس کا مفہوم صریح ہے۔

(۴) پہلے امیر المومنین کا ارشاد بیان ہو چکا ہے لا یقاس بنا احدٌ من الناس کسی شخص کا قیاس ہم پر نہیں کیا جا سکتا۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ دوسرے بچوں کے بچپن کا ان کے بچپن پر قیاس کیا جا سکے۔

(۵) اس فطرت مستقیمہ سے بحالت بچپن وہ عجائب و غرائب امور صادر ہوا کرتے ہیں جو دوسرے بچوں سے ہرگز صادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ فطرت عدلیہ مظہر اتم ہے خالق فطرت کی۔ جس طرح خالق عالم کی شان ہے کل یوم ھو فی شان مگر باوجود اس کے بھی لایشغلہ

شانؔ عن شانؔ" اسکی شان ہے ۔ یہی عالم اس کے مظاہر تامہ اور کلمات عین کا ہے۔

ہم خیال کرتے ہیں کہ آیہ زیر بحث "افاکنا من قبلہ مسلمین" کے متعلق ہم نے کافی طور پر لکھدیا ہے ۔ اب اگر دلوں کی کجی قبول کرنے سے باز رکھے یا یہ تعصب کہ "ہم چونکہ عالم علامہ و فاضل فہامہ ہیں کیونکر اپنی غلطی قبول کریں" راہ حق تک نہ آنے دے تو اس میں کسی کا اختیار نہیں ۔ ہمیں اثبات فضائل و مناقب مبارک انھیں انکار ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ؂

ہم نے بحث اٹھائی تھی مظہریت کی اور یہ بحث ایک طویل بحث ہے اور یہ ایک ایسا اصول محکم ہے کہ مابقی تمام کمالات اسی کے فروع ہیں ۔ لہذا اس بحث کی تکمیل کا خیال تو ایک عبث خیال ہے ۔ لو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلامٌ والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم اگر زمین میں جتنے بھی اشجار ہیں قلم بنجائیں اور ایک سمندر (سیاہی) ختم ہونے کے بعد ساتوں سمندر اس سے ملجائیں پھر بھی کلمات الٰہیہ ختم نہیں ہو سکتے ۔ بتحقیق کہ اللہ عزیز و حکیم ہے ۔ اور یہی عزت و حکمت دلیل ہے اس کی کلمات کے ختم نہ ہونے کی ۔ پس جب حضرت ظاہر کی یہ شان ہے تو مظہر جو اسی کی مشئون کا آئینہ ہے کیونکر اس کے کمالات کا احاطہ ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق حدیث مشہور ہے کہ اگر دنیا کے درخت قلم بنجائیں ۔ سمندر سیاہی کی شکل میں تبدیل ہوں اور جن وانس حساب کرنے والے پھر بھی فضائل علیؑ ابن ابی طالب کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔ عجب نہیں کہ یہ حدیث اسی آیہ مجیدہ سے ماخوذ ہو ۔ اور لفظ "کلمات اللہ" سے اس خیال کی اور بھی تصدیق ہوتی ہے ۔ اس خیال کی تردید کا آسان لٹکا بھی ہم بتائے دیتے ہیں وہ یہہ کہ حدیث کسی غالی کی بنائی ہوئی ہے چلتے چھٹی ہوئی ۔

اسی مسئلہ مظہریت کو مدنظر رکھتے ہوئے ملاحظہ فرمائیے کہ خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم "صبور" بھی ہے ۔ یعنی بہت بڑا صبر کرنے والا اس اسم سے معلوم ہوا کہ صبر فی الحقیقہ صفات الوہیت میں سے ہے اور بہت بڑی چیز ہے پس یہ صفت اس کے مظاہر تامہ سے بھی پورے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوگی ۔ بلکہ اسی صفت کا ظہور ان کے مقامات کو جانچنے کیلئے ایک معیار ہے

اور اسی صفت صبر کی بنا پر انہیں بہت سے امور تفویض ہوئے ہیں اسی صفت سے ان کے کمالات علمیہ پر روشنی پڑتی ہے کیونکہ جب تک انسان کو کسی چیز کے مالہ و ماعلیہ کا علم نہ ہوگا اس پر صبر نہیں کر سکتا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جس کے لئے مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں حضرت خضر کا قول حضرت موسےٰ سے خطاب کرتے ہوئے قرآن میں موجود ہے "انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علےٰ مالم تحط بہ خبرا تم ہرگز میرے ہمراہ صبر نہ کر سکو گے اور کیونکر صبر کر سکتے ہو اس چیز پر جس کا علم احاطی تم کو حاصل نہیں ہے۔ اس ارشاد عالم حقیقت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ صابر وہی ہوگا جس کا علم حقایق اشیاء کا محیط ہوگا۔ یا یوں کہو کہ جس کا علم محیط ہوگا۔ صفت صبر کا ظہور اسی سے بطور کمال جلوہ گر ہوگا۔

اسی صفت صبر کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کو کلام اللہ میں ایسی آیات نظر آئینگی جن سے امامت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام پر روشنی پڑے گی اور معلوم ہوگا کہ امام کے صفات کیا ہیں۔ قبل اس کے کہ اس آیت کا ذکر کیا جائے مندرجہ ذیل حدیثوں کا مضمون آپ کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

روی العیاشی باسنادہ عن جابر قال سالت اباجعفر علیہ السلام عن شیٍ من تفسیر القرآن فاجابنی ثم سالتہ ثانیۃ فاجابنی بجوابٍ اٰخر فقلت جعلت فداک اجبت فی ھذہ المسئلۃ بجواب غیر ھذا قبل الیوم فقال لی یا جابر ان للقرآن بطناً وللبطن بطنٌ وظھرٌ وللظھر ظھرٌ یا جابر لیس شیٌ ابعد من عقول الرجال من تفسیر القرآن ان الاٰیۃ لیکون اولھا فی شیٍ واٰخرھا فی شیٍ وھو کلامٌ متصلٌ ینصرف علےٰ وجوہٍ (صافی)

عیاشی علیہ الرحمہ نے باسناد خود جابر سے روایت کی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تفسیر قرآن میں سے ایک بات پوچھی آپ نے مجھے جواب دیا پھر میں نے دوبارہ اسی کے متعلق پوچھا آپ نے مجھے دوسرا جواب دیا۔ میں نے عرض کی قربانت شوم آپ نے پہلے اس مسئلہ میں اور جواب مرحمت فرمایا ہے جو اس جواب کے مغائر ہے آپ نے فرمایا اے جابر قرآن کے لئے باطن ہے اور باطن کے لئے باطن۔ اس کا ایک ظاہر ہے اور ظاہر کے لئے ظاہر۔ اے جابر تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی چیز لوگوں کی عقلوں سے

مجید تو نہیں۔ تحقیق حالت یہ ہے کہ آیت کا اول کسی چیز کے بارہ میں ہے اور آخر کسی دوسری چیز کے بارے میں قرآن مجید ایک کلام متصل ہے جو وجوہ مختلفہ رکھتا ہے۔

اس حدیث سے ناظرین بخوبی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ کلام مجید وجوہ مختلفہ کا حامل ہے۔ فی الحقیقت یہی شان اعجاز ہے کہ ایک جملہ میں ہزارہا مطالب ختم ہو گئے یہی سبب ہے کہ آیات کے متعلق آپ کو احادیث مختلفہ ملیں گی۔ اس اختلاف کا راز اس حدیث نے کھولدیا ہیں ایسی حالت میں احادیث مختلفہ کو دیکھکر بلا سمجھے سوچے کسی حدیث کا انکار کر دینا سفاہت میں داخل ہوگا یا نہیں؟

وباسنادہ عن حمران بن اعین عن ابی جعفر علیہ السلام قال ظہر القرآن الذین نزل فیہم و بطن القرآن الذین عملوا بمثل اعمالہم

اسی بزرگوار نے باسناد خود حمران بن اعین سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر قرآن وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں نازل ہوا اور باطن قرآن وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے اعمال کے مطابق عمل کئے۔

اس حدیث سے تنزیل و تاویل کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہی کہ اگر کوئی آیت کسی شخص کے حق میں نازل ہوئی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کا اثر وہیں تک محدود رہ گیا بلکہ جو شخص بھی اس کا عمل میں مماثل ہوگا۔ وہی اس آیت کے ماتحت آجائیگا۔

جب یہ مطلب ذہن نشین ہو چکا تو اب ملاحظہ فرمائیے کہ مظاہر صبر الوہیت سے ظہور صفت صبر کا کیا نتیجہ نکلا اور وہ دنیا کو کس منزلت پر فائز نظر آئے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایٰتنا یوقنون اور ہم نے ان میں سے امام قرار دئے۔ جبکہ انھوں (ائمہ) نے صبر اختیار کیا وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور وہ ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے تھے۔"

اس آیت کا پہلا حصہ ولقد اٰتینا موسی الکتب الخ بنی اسرائیل سے متعلق ہے اور اس سباق وسیاق سے وہم ہو سکتا ہے کہ آیت کا تعلق تنزیلی انبیاء بنی اسرائیل سے ہے مگر دیکھنا

یہ ہے کہ یہ قانون جو اس آیت میں بیان کیا ہے وہ کسی دوسرے مقام پر تبدیل ہو جائے گا۔

واضح ہو کہ اس آیت میں ائمہ کی دو صفتیں بطور شرط پڑی ہوئی ہیں۔ یعنی صبر و ایقان بآیات الہی۔ پس جہاں جہاں یہ شرطیں متحقق ہونگی وہاں امامت کا تحقق ہوتا چلا جائیگا۔ بلکہ جہاں یہ صفات بطور کمال موجود ہوں گی وہاں امامت کا وجود بطور کمال ہوگا۔ اور مقصود اصلی وہی ہوں گے۔ اب برسبیل تنزل کہا جا سکتا ہے کہ آیت ظاہری طور پر تو انبیائے بنی اسرائیل سے متعلق ہے لیکن باطناً تمام ائمہ کو شامل ہے۔

اہل عقل کو معلوم ہونا چاہئے کہ ائمہ آل محمد علیہم السلام سے ان صفات کا ظہور بدرجۂ اتم ہوا لہذا آیت کا تعلق ان سے بدرجۂ اولےٰ ہوگا۔ اگرچہ اس کا نزول انبیاء بنی اسرائیل علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہو۔ ارشاد معصوم وبطن القرآن الذین عملوا بمثل اعمالھم جو پہلے بیان ہو چکا ہمارے دعوے کا شاہد حال ہے۔ اب تو آپکو معلوم ہوا کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کا تعلق اس آیت سے کیونکر ہو گیا۔

اس تعلق کو سمجھنے کے بعد آپ ایک خوش مذاق معترض کے ذہن کی داد دیجئے۔ فرماتے ہیں۔ اور کتاب مذکور (صراط السوی) کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا "ھم" نہیں ہے "منھم" کیئے کلام خدا میں اصلاح نہ دیجئے۔ مؤلف) اور یہ ائمہ اور شہداء علی الخلق ذریت ابراہیم وعترت خاتم النبیین علیؑ واولاد علیؑ ائمہ اثنا عشر ہی ہوئے ہیں حالانکہ آیۂ شریفہ وجعلناھم[1] ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا جزو ۲۱ سورۂ سجدہ کو حضرات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے کوئی ربط نہیں ہے بلکہ اس میں ائمہ سے بنی اسرائیل کے انبیا علیہم السلام یا انکے وہ مخصوص رؤسا مراد ہیں جو امور خیر کی ہدایت کرتے تھے جیسا کہ کتب تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ اعتراض عجیب وغریب افادات پر مبنی ہے اور خدا جانے وہ کتب تفاسیر کونسی ہیں جن کا حوالہ معترض نے دیا ہے اگر کوئی عبارت نقل کی جاتی تو دیکھنے کا موقعہ ملتا اور معلوم ہوتا کہ آپ کتب تفاسیر کو کس حد تک سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ ہاں جناب بنی اسرائیل کے ان مخصوص روساء کے تو نام ذکر فرمائیے جو اس آیت کے مصداق ہیں۔ آپ نے بیان یہ فرمایا ہے کہ یا تو اس سے انبیاء مراد ہیں یا مخصوص روسا۔ تحقیقی بات آپ کے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ یا یہ ہے

[1] ھم یہاں غلط ہے۔

یا وہ ہے یا یوں ہوگا یا وُوں ہوگا"

بندہ پروران فضولیات سے کام نہیں چلتا جس امر کا دعوے کیا ہے اس کا ثبوت کامل پیش کیجیے۔ ورنہ اس قسم کے فضول ولایعنی کلمات سے سوائے اس کے کہ علمی دنیا میں آپکا مضحکہ اڑے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ علوم قرآنیہ سے آپ قطعًا نابلد ہیں۔ احادیث سے آپ بالکل کورے ہیں پھر معلوم نہیں کونسی بات پر کوس لمن الملک بجایا جارہا ہے۔ کوئی عالم متدین ایسے خفیف کلمات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔

واضح ہو کہ کتاب اللہ میں ائمہ کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم ائمہ کی ہے وجعلنا هم ائمة يدعون الى النار یعنے ایسے پیشوا ہیں جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے پیرؤوں سمیت جہنم کا ایندھن ہیں دوسری قسم کے ائمہ کی شان یہ ہے۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا" اس کے سوا کوئی تیسری قسم ائمہ کی کتاب اللہ میں موجود نہیں بلکہ عقلاً متصور نہیں۔ اب وہ ائمہ جنکی شان ہے "یهدون بامرنا" ان کا ذکر ایک تو اسی آیت میں ہے۔ اور دوسری مقام پر ان کا ذکر ہے سورۂ انبیاء میں بایں الفاظ "وجعلنا هم ائمةً يهدون بامرنا واوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلوة وايتاءِ الزكوة وكانوا لنا عابدين" ان دونوں آیتوں کی نسبت آپ نے انکار کیا ہے اور زور شور کے ساتھ کیا ہے کہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کا ان آیتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر جب ان آیتوں سے ان کا تعلق نہیں تو امت ابراہیمی سے تو بدرجہ اولے نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امامت بھی تو ہدایت امری ہی ہو جس کا آپ کو انکار ہے۔ اب مہربانی فرماکر جواب دیجیے کہ ائمہ علیہم السلام کی امامت کی نسبت آپ کا کیا عقیدہ ہے اور یہ امامت کتاب اللہ کی کونسی آیت کے ماتحت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نے لباس تشیع پہنکر ایک زبردست فتنے کی بنیاد ڈالی ہے۔ آپ ضرور در پردہ معاندین سے تعلق رکھتے ہیں پس اپنے عقائد کی نسبت پبلک کو اطلاع دیجیے۔ اور شیعہ پبلک کا فرض ہے کہ وہ ان سے سوال کرے کہ آپ کے نزدیک ائمہ اہلبیت علیہم السلام کونسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں

فی الکافی عن الصادق علیہ السلام ان الائمۃ فی کتاب اللہ عزوجل اماما فان

قال اللہ تبارک وتعالے وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لا بامر الناس یقدمون مامر اللہ قبل امرھم وحکم اللہ قبل حکمھم قال وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار یقدمون امرھم قبل امر اللہ وحکمھم قبل حکم اللہ ویاخذون باھوائھم خلاف مافی کتاب اللہ۔

کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تحقیق کتاب اللہ میں دو قسم کے امام ہیں (۱) حق سبحانہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ہم نے ان کو امام گردانا وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں یعنی لوگوں کے امر سے وہ ہدایت نہیں کرتے اور اپنے حکم پر خدا کے حکم کو اور اپنے امر پر خدا کے امر کو مقدم رکھتے ہیں (اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کرتے) (۲) اور فرمایا ہم نے ان کو امام گردانا جو آگ کی طرف بلاتے ہیں خدا کے امر پر اپنے امر کو اور خدا کے حکم پر اپنے حکم کو مقدم رکھتے ہیں اپنی خواہش نفس سے خلاف کتاب اللہ (احکام) اخذ کرتے ہیں

واضح ہو امام علیہ السلام نے ائمہ حق کی امامت اسی آیت سے اخذ فرمائی ہے جس سے معترض صاحب کو انکار ہے۔ پس اب اس جاہل معترض کو جو نہ اصول عقلیہ فطریہ سے واقف ہے نہ کتاب خدا اور احادیث معصومین کی اسے ہوا لگی ہے صاف اعلان کرنا چاہئے کہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی امامت ان آیات سے مستنبط نہیں ہوتی۔ شرم اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ جاہل صریحاً قول معصومین کی تردید کر رہا ہے۔ اور پھر اس پر دعوےٰ یہ ہے کہ میں غلط عقائد کی اصلاح کر رہا ہوں واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون۔ جب ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو انھوں نے کہا نہیں جی ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ یہی ہاں یہی مفسد ہیں لیکن (اس کے ساتھ) بے شعور (بھی) ہیں۔ واضح ہو کہ سب سے بڑا فساد۔ فساد فی الدین ہے۔ اور فساد فی الدین اس سے زیادہ ہرگز متصور نہیں ہو سکتا کہ صاحبان عصمت وطہارت ومعادن علوم الٰہی کے ارشادات کی تکذیب کی جائے کتاب اللہ کو پس پشت ڈالا جائے اور اپنی ہوا وہوس کے موافق احکام صادر کئے جائیں جیسا کہ اس معاند معترض نے رویہ اختیار کیا ہے ایک شیعی فاضل کا یہ ارشاد کہ ایسی کتاب (صراط السوی) جس نے میرزائی واحمدی خیالات کو

ستاصل کر دیا اور فضائل و کمالات نبوت و امامت کو کالشمس فی رابعۃ النہار آشکارا کر دیا وہ صحیفہ
اور تنقید (وہ بھی ایک مدعی تشیع کی طرف سے مؤلف) یہ امر عجیب و غریب ہے" اس امر کو ظاہر
کر رہا ہے کہ شیعہ اہل علم اس جدید فساد پر حیرت ظاہر کر رہے ہیں۔

خیر ان معاندین کو چھوڑئیے اپنے مطلب پر آئیے آیت مذکورہ کا تعلق ائمہ اہلبیت علیہم السلام
سے بدرجہ اولیٰ ہی بموجب اصول تفسیر و ارشاد معصوم۔ جہال کے انکار سے کچھ نہیں ہو سکتا ان کا
شیوہ تو ہمیشہ سے انکار ہی رہا ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ منازل صبر و ایقان پر ائمہ علیہم السلام کا قبضہ بدرجہ اتم ہے۔ انھیں
بزرگواروں میں سے ایک کا ارشاد ہے لو کشف الغطا لما ازددت یقیناً۔

انہیں بزرگواروں میں سے ایک بزرگوار کے صبر و ایقان کو دیکھکر انبیاء و رسل و ملائکہ
مقربین دریائے حیرت میں غرق ہیں پس ان کی امامت اگر اس آیت سے متحقق نہ ہو گی
تو پھر کس کی ہو گی۔ در آنحالیکہ انبیائے بنی اسرائیل کا صبر و ایقان ان کے مقابلہ میں کوئی
چیز نہیں ہے۔ پس صبر مطلق کی مظہر اتم یقیناً صاحبان امامت مطلقہ ہیں۔

واضح ہو کہ اس آیت نیز اس کے مثل دوسری آیتوں نے مسئلہ امامت کو آئینہ کر دیا ہے
اب کسی کے دل میں امامت کی طرف سے کوئی کمی باقی نہیں رہ سکتی۔ الامن فی قلبہ زیغ اور
ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امامت کیا چیز ہے۔

اب امامت کا ذکر آ گیا ہے لہٰذا اہل ایمان کی بصیرت کے لئے علامات امام تحریر کیجاتی
ہیں۔ راوی الصادق رحمۃ اللہ علیہ فی الفقیہ عن ابی الحسن علی ابن موسی الرضا
علیہ السلام قال للامام علامات

صدوق علیہ الرحمہ نے فقیہ میں حضرت امام ضامن ثامن علی ابن موسے الرضا علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امام کے لئے علامتیں ہوتی ہیں۔ یکون اعلم
الناس واحکم الناس واتقی الناس۔ امام تمام لوگوں سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور سب سے
بہتر صاحب حکم اور سب سے بڑھکر متقی ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ پہلی علامت جو امام نے بیان فرمائی ہے وہ علم ہے۔ فی الحقیقۃ علم ہی

ایک ایسی چیز ہے۔ جو اصل کمالات ہے اور باقی کمالات اسی کی فرع ہیں۔ اول شے جو حجاب قدرت سے ظاہر ہوئی وہ علم ہی ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد نبوی اول ما خلق اللہ نوری اور ارشاد امیر المومنین العلم نور کو ملا کر دیکھتے ہیں تو صاف یہ دعویٰ مبرہن ہو جاتا ہے الرحمن علم القرآن اسی پر دال ہے۔ اسی لئے امام نے اس علامت کو سب سے پہلے ذکر فرمایا ہے۔

یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ امام ایک مرکز ہے اور باقی جتنے خطوط عالم ہیں سب اسی کی طرف منتہی ہوتے ہیں۔ کل ماموین کی ضرورتیں امام ہی کی طرف راجع ہوتی ہیں اور ضروریات ماموین کا کوئی شمار نہیں۔ پس ان تمام ضرورتوں کا پورا کرنا امام کا فرض ہے بشرطیکہ وہ امام بالحق ہے اور یہ ضرورتیں حل نہیں ہو سکتیں۔ جب تک امام کو ان کے متعلق علم کلی و علم جزئی حاصل نہ ہو اور یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا مگر بطریق وحی والہام۔ پس امام کا علم۔ علم الہی سے اتصال رکھتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے۔ ائمہ فرماتے ہیں کہ امام کے پاس ایک عمود نور ہے جس کا ایک سرا قلب امام سے متصل ہوتا ہے اور دوسرا عرش الہی سے یعنی علم الہی بلا واسطہ غیر امام کو حاصل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں دریائے علم امامت کی تہ تک کسکی رسائی ہو سکتی ہے اور کون شخص علم امام کا اندازہ کر سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ ایسا امام کسی ہم جنس کا بنایا ہوا امام نہیں ہوتا بلکہ یہ شئے منجانب اللہ اسے حاصل ہوتی ہے اور خدا ہی اسے امام مقرر کرتا ہے۔ یہ تقرر صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جو اس کا خالق ہے۔ بلکہ فی الحقیقۃ اس کا خلق کر دینا ہی اس کا مقرر کرنا ہے اور یہی اقتضائے لطف ہے وجودہ لطف وتصرفہ لطف آخر وعدمہ منا امام کا وجود ہی ایک لطف الہی ہے۔ اب رہا ظاہری طور سے اس کا متصرف فی الامور ہونا یہ ایک دوسرا لطف ہے اور اس کا عدم ہماری جانب سے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم اپنے امور اس کے سپرد کر دیں گے تو وہ ان میں تصرف کرے گا والا سکوت اختیار کرے گا۔ یہ مسئلہ فی الحقیقۃ جبر و اختیار پر منتہی ہوتا ہے اور عند المحققین امور عباد کی بنا ر اختیار پر رکھی گئی ہے نہ کہ جبر پر جیسا کہ آیات کلام مجید واحادیث طاہرین سے معلوم ہوتا ہے۔

واحلم الناس واشجع الناس واعبد الناس واسخی الناس ویولد مختونا ویکون مطہرا۔

امام سب سے زیادہ صاحب حلم سب سے بڑھکر صاحب شجاعت سب سے بہتر عبادت گذار اور سب سے بڑھکر سخی ہوتا ہے امام مختون پیدا ہوتا ہے اور بالکل طاہر و مطہر ہوا کرتا ہے یعنی کسی قسم کی نجاست ظاہری بھی اسے مس نہیں کرتی۔

جن لوگوں نے قیاسات قبیحہ کے دامن میں پرورشں پائی ہے۔ وہ اپنے ہی نفوس پر قیاس کرتے ہوئے ان امور کو استبعاد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دل میں نور ایمان کی روشنی ہے اور جو ایک قادر مختار ہستی پر ایمان لائے ہیں ان کے لئے اس قسم کی چیزیں ہرگز محل تعجب نہیں ہوتیں بلکہ ان چیزوں سے آئینۂ قلب پر اور جلا ہوتی ہے۔

ویری من خلفہ کما یری من بین یدیہ۔ امام پس پشت اسی طرح دیکھتا ہے جیسے کہ سامنے یعنی کسی قسم کا کوئی حجاب اس کے نورانیت کے لئے حائل نہیں ہو سکتا وہ تمام عوالم کے حالات سے خبردار رہتا ہے اور وہ ماضی و حال و استقبال میں سے کوئی زمانہ اس کے سامنے حائل نہیں ہو سکتا۔ وہ جس طرح ماضی کے حالات سے خبردار ہے۔ اسی طرح حوادث حال و استقبال سے۔ یہ فقرہ "ویری من خلفہ" کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ پس پشت کی چیزیں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سامنے کی چیزیں اور دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہے کہ امام حالات گذشتہ و آئندہ سے خبردار ہوتا ہے۔ گویا "خلف" سے مراد زمانہ ماضی لیا جا سکتا ہے اور "بین یدیہ" سے زمانۂ استقبال ان دونوں مطلبوں میں ہرگز کوئی تخالف نہیں ہے اور دونوں کے دونوں صحیح ہیں۔

ولا یکون لہ ظل۔ امام کا سایہ نہیں ہوتا۔ بعض خوش فہم حضرات فرمایا کرتے ہیں کہ سایہ کا نہ ہونا صرف جناب ختمی مرتبت سے مخصوص ہے اور اجزائے نور محمدی کے واسطے وہ سایہ تجویز کرتے ہیں جس کا ماخذ سوائے جہالت کے اور کچھ نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ ائمہ اثنا عشر علیہم اس نور محمدی کے اجزا ہیں اور وہ ہی روح اعظم جو حقیقت کمالات ہے ان میں بھی جلوہ گر ہے جس طرح کہ ذات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ میں پرتو افگن تھی۔

واذا وقع علی الارض من بطن امہ وقع علی راحتیہ رافعا صوتہ بالشھادۃ امام جس وقت شکم مادر سے زمین پر آتا ہے تو ہتھیلیوں کے بل آتا ہے اور آتے ہی کلمۂ شہادت زبان پر جاری کرتا ہے۔

ولا یحتلم وتنام عیناہ ولا ینام قلبہ امام محتلم نہیں ہوتا اور اسکی آنکھیں سوتی ہیں مگر قلب بیدار رہتا ہے - احتلام واقع ہوتا ہے وساوس شیطانیہ وتخیلات فاسدہ وضعف قوائے باطنہ کی بنا پر اور ان چیزوں کا امام سے کوئی تعلق نہیں نیز یہ چیز واقع ہوتی ہے حالت خواب وغفلت میں اور امام پر یہ خواب ہی طاری نہیں ہوتا بلکہ اس کا خواب عین بیداری ہے - یوں کیوں نہ کہئے کہ وہ مظہر اتم ہے اس ذات کا جس کی شان ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم پھر اسپر خواب غفلت کیسے طاری ہو سکتا ہے۔

وہ روح قدس جس کا تعلق امام سے ہوتا ہے جیساکہ احادیث میں آیا ہے اسکی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے لا یلھو ولا یلعب وہ لہو ولعب میں مشغول نہیں ہوا کرتی - پس وہ ذات جو اس روح کو حاصل ہوتی ہے کیونکر ملاہی وملاعب میں مشغول ہو سکتی ہے -

علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی زیر نظر رکھنے کے قابل ہے کہ امام کی شان ہے شہید علے الخلق یعنی وہ خلائق کے اعمال پر حاضر وناظر ہوتا ہے - پس اگر خواب غفلت کا عالم اس پر طاری ہوگا تو سلسلہ شہیدیت منقطع ہو جائے گا۔ لہذا اس پر نیند طاری نہیں ہوتی بلکہ اسکی خواب وبیداری یکساں ہو- اس حالت سے تعجب نہ کرنا چاہئے بلکہ اس بات کا مطالعہ انسان خود اپنے صحیفۂ وجود میں کرلے پھر یہ مطلب اچھی طرح روشن ہو جائے گا۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ نیند اور اونگھ وغیرہ کا تعلق مادیات سے ہے ۔مجردات کو اس سے تعلق نہیں - روح انسان یا نفس ناطقہ انسانی چونکہ عالم مجردات سے ہے اس لئے اپنے عالم میں ان آثار سے تعلق نہیں رکھتا جو مادیات سے متعلق ہیں اسی لئے ہماری روح بھی ہمیشہ بیدار رہتی ہے قوائے جسمانیہ مضمحل ہوکر حالت سکون اختیار کر لیتے ہیں اور روح برابر اپنے کام میں لگی رہتی ہے ۔ہم سوتے ہیں اور ہماری روح ہزارہا کوس کی خبر لاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی بدن کے حالات سے بھی خبردار رہتی ہے ۔لیکن ہماری روح چونکہ بہت ضعیف ہے اس لئے اسکے افعال بھی ضعیف ہیں مگر وہ روح جو ام الارواح ہے اور تمام روحیں اسکا پرتو ہیں اسکی قوت بے انتہا ہے وہ نہ صرف اپنے بدن کی ہر حال میں محافظ ہے بلکہ اشیاء عوالم کی محافظت میں مصروف رہتی ہے اور پھر باوجود اسکے اپنے مبدء سے جو فوق المجردات ہے اسے برابر اتصال رہتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین

ویکون محدثاً ۔ امام محدث ہوتا ہے ۔یعنی روحانئین اس سے باتیں کیا کرتے ہیں اور ملائکہ مقربین اخبار ارض وسماے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

ویستوی علیہ درع رسول اللہ رسول اللہ کی زرہ اس کے جسم پر ٹھیک آتی ہے ۔ اس سے اشارہ ہو سکتا ہے اولوالالباب کے لیے اس امر کی جانب کہ جس طرح اس کے جسم ظاہری پر رسول اللہ کا لباس ٹھیک اترتا ہے اسی طرح اسکا باطن بھی بالحق رسالت کا آئینہ اور مماثل ہی۔

ولا یری لہ بول ولا غائط لان اللہ عزوجل قد وکل الارض بابتلاع ما خرج منہ ویکون رائحتہ اطیب من المسک اس کا بول و براز نظر نہیں آتا اس لئے کہ خدا نے زمین کو تعینات کیا ہے کہ جو کچھ اس سے خارج ہوا سے نگل جائے اور اس کی بو مشک سے بہتر ہوتی ہے روحانیوں کے مقامات کا نظارہ کرنے کے لئے سوائے اس کے کہ ہم سر جھکا کر چلے چلیں اور کوئی چارۂ کار اسکے لئے نہیں ہے ۔گو بادی النظر میں یہ امر عجیب معلوم ہو لیکن فی الحقیقۃ یہ آیۂ تطہیر کا ایک تفسیری نوٹ ہے ۔تطہیر کلی کے معنی یہی ہیں ۔ہاں یہ بھی تو سمجھو کہ بول و براز کا تعلق ہے مادیات سے یعنی یہ فضلات ہیں جو غذاؤں سے بچ رہتے ہیں ۔ انسان جتنی غذائیں کھاتا ہے طبیعت اپنا تصرف کرکے مایحتاج اور اجزائے لائقہ کو اخذ کر لیتی ہے جس سے بدن کا قوام منتظم ہوتا ہے اور مابقی کو دفع کر دیتی ہے ۔لیکن یہ حالت اس مخلوق کی ہے جو عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے لیکن جو طبقہ کہ عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اس کے حالات بالکل جداگانہ ہیں ۔جو چیز ان سے مس ہوتی ہے اس میں انھیں کے خواص پیدا ہو جاتے ہیں ۔یہ ان کے منتہائے قوت کی دلیل ہے ۔پس اغذیہ مادیہ بھی ان کے شکم میں جاکر کوائف روحانی اختیار کر لیتی ہیں اور اس عالم مادی میں رہ کر بھی وہ اپنی طینت بہشتی کا اعلان کرتے رہتے ہیں ۔

ویکون اولیٰ بالناس منہم بانفسہم واشفق علیہم من آبائہم وامھاتھم امام لوگوں سے ان کے نفوس کی بہ نسبت اولےٰ ہوتا ہے اور ان کے ماں باپ سے زیادہ شفیق ۔ یہ صفت اولیت وہ صفت عظیمۃ القدر ہے جو امام اور نبی میں بالکل مساوی ہے ۔نبی کی شان قرآن میں یہ بیان فرماتا ہے ۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم پس جو اولویت وہاں ہے وہ ہی یہاں ہی دوسرا جملہ حدیث کا گویا پہلے جملہ کی دلیل واقع ہوا ہے یعنی یہ اولیت اسی کے لئے سزوار ہی۔

ویکون اشد الناس تواضعاً للہ جل ذکرہ ویکون آخذ الناس بما یامر بہ واکف الناس عما ینھی عنہ وہ سب لوگوں سے بڑھکر خدا کے سامنے خاضع وخاشع ہوتا ہے وہ سب لوگوں سے زیادہ حکم الٰہی کا پابند اور اس کی نہی سے بچنے والا ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو ہستی خدا سے اتنا تقرب رکھتی ہے جس سے فوق کوئی تقرب متصور ممکن نہیں وہ اگر متواضع للہ نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ اور اوامر ونواہی خداوندی کی پابندی اس سے بہتر کون کرسکیگا۔ دربار ذوالجلال میں ہر وقت حضوری کا یہ لازمی اثر ہے۔

ویکون دعائہ مستجاباً حتی انہ لو دعا علی صخرۃ لا نشقت بنصفین۔ اسکی دعا مستجاب ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ کسی پتھر کے لئے دعا کرے تو وہ نصفا نصف شق ہوکر رہ جائے۔ جب حجریات پر اس کی دعا کا یہ اثر ہوتا ہے تو وہ انسان جس کے دل کو زنگ معاصی نے پتھر سے زیادہ سخت کردیا ہو اور وہ امام سے متوسل ہونے کا ثابت قدمی کے ساتھ ارادہ کرلے پھر اس کی سنگدلی کہاں باقی رہ سکتی ہے۔ ہاں اگر شقاوت ذاتی اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دے تو یہ دوسری بات ہے۔

ویکون سلاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسیفہ ذوالفقار عندہ۔ رسول اللہ کے سلاح اور ان کی سیف ذوالفقار امام کے پاس ہوتی ہے اس سے وراثت کی طرف اشارہ ہے اور یہیں سے مسئلہ وراثت رسول متحقق ہوجاتا ہے۔

کہا جاتا ہے رسول اللہ کا متروکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ رسول اللہ نے جو اپنے سلاح وغیرہ باقی چھوڑے یہ چیزیں مال متروکہ میں شامل ہیں یا نہیں یا صرف فدک ہی کو متروکات پیغمبر میں گنا جائے گا یہ چیزیں یقیناً متروکۂ پیغمبر ہیں۔ اب ہمیں بتایا جائے کہ یہ چیزیں کس کے پاس گئیں اور کس حیثیت سے گئیں۔ اگر حدیث "لا نرث ولا نورث" کو صحیح مانا جائے تو یہ سب چیزیں داخل بیت المال ہونی چاہیئے تھیں مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ یقیناً حضرت خلیفۂ اول پر اس کی جوابدہی عائد ہوتی ہے۔

ویکون عندہ صحیفۃٌ فیھا اسماء شیعتہ الی یوم القیامۃ وصحیفۃٌ فیھا اسماء اعدائہ الی یوم القیامۃ۔ امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں اس کے شیعوں کے نام درج ہوتے

ہیں جو تا قیامت ہونے والے ہیں اور ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں اس کے اعدا کے اسمار الی یوم القیامہ درج ہوتے ہیں۔

ویکون عندہ جامعۃ وھی صحیفۃ طولھا سبعون ذراعاً فیھا جمیع ما یحتاج الیہ من ولد آدم۔ امام کے پاس جامعہ ہوتا ہے اور وہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول ستر ہاتھ کا ہے اسمیں تمام بنی آدم کی ضروریات موجود ہیں۔

ویکون عندہ الجفر الاکبر والاصغر اھاب ماعز واھاب کبش فیھما جمیع العلوم حتے ارش الخدش وحتی الجلدۃ ونصف الجلدۃ وثلث الجلدۃ۔

امام کے پاس جفر اکبر وجفر اصغر ہوتا ہے ایک بکری کی کھال ہے ایک دنبے کی ان میں تمام علوم موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ایک خراش کی دیت کا بھی بیان ہے۔ اور ایک تازیانہ۔ نصف تازیانہ اور ثلث تازیانہ کا ذکر ہے۔ حدود الٰہی کا کلاً وجزاً ذکر ہے۔

ویکون عندہ مصحف فاطمہ علیہا السلام۔ امام کے پاس حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا مُصحف ہوتا ہے۔

ان علامات سے جو امام علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں شانِ امامت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ خصوصاً وہ علامت جو امام نے سب سے پہلے ارشاد فرمائی ہے یعنی یہ کہ امام اعلم الناس ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جتنا اس کا علم بڑھا ہوا ہوگا اتنا ہی اس کا صبر بھی وسیع ہوگا۔ اور یہی صبر معیار امامت ہے۔ پس ائمہ اثنا عشر علیہم السلام جو اعلم الناس بلکہ اعلم الخلق ہیں انکا صبر بھی اسی تناسب علمی کے لحاظ سے ہوگا۔ جیسا کہ ان سے ظاہر بھی ہوا ہے۔ پس وہ بزرگوار یقیناً اس آیت سے تعلق رکھنے والے ہوں گے جس پر بحث کرتے چلے آرہے ہیں۔ اب تو معترض کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ آیت سورۂ سجدہ کو ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے کیونکر ربط ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ حقائق قرآنیہ کلیۃً محمدؐ وآل محمدؐ کی طرف راجع ہیں کیونکہ قرآن میں یا بشارتیں ہیں جو ان کے اور ان کے متبعین کے لئے ہیں یا وعدہ و وعید ہیں جو ان کے دشمنوں کی طرف راجع ہیں یا اوامر ونواہی ہیں جو انھیں کی زبان سے ادا ہوئے اور انہیں کے ذریعہ سے دنیا نے انہیں سمجھا یا علوم خاص ہیں جنکا مخزن انھیں کا سینہ ہے۔ پس قرآن کی کسی آیت کی نسبت یہ کہنا کہ ائمہ اثنا عشر

سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے فی الحقیقت ایک بے بصیرتی ہے جسے مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ معترض اگر شیعہ ہے تو وہ صرف زبانی شیعہ ہے ورنہ اسے حقیقۃً شیعیت سے کوئی تعلق نہیں وہ حقائق مذہب سے قطعاً بے خبر ہے اور ایسی بےخبری دعوئے اعلمیت سے دنیا کو دھوکا دیا جاتا ہے۔

جناب سید الموحدین امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد "انا کتاب اللہ الناطق" مشہور و معروف ہے۔ حقیقت قرآن انھیں کے سینوں میں پنہاں ہے بلکہ انکا وجود ہی حقیقت قرآن ہے اور یہ قرآن جو ہمارے سامنے ہے یہ اسکی ایک صورت مکتوبی ہے۔ پس جس طرح کل اشیاء کا میل اپنی اصل کی طرف ہوتا ہے اسی طرح حقائق قرآنیہ رجوع کرتے ہیں اپنی اصل یعنی وجود پیغمبر و امام کی طرف فان الامام ھو کتاب اللہ۔

واضح ہو کہ ابتدائے بحث آیت وجعلنا منھم ائمۃ الخ میں حسب اصول تفسیر جو حدیث معصوم سے ماخوذ ہے۔ ہم نے یہ تحریر کیا ہے کہ اب یہ آیت ظاہری طور پر اگر انبیائے بنی اسرائیل سے متعلق سمجھی جائے تو بھی باطناً تمام ائمہ کو شامل ہے۔ اسی بحث میں ہم نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس آیت میں ائمہ کی دو صفتیں جو بطور شرط پڑی ہوئی ہیں جہاں جہاں ان کا تحقق ہوگا وہاں امامت کا تحقق بطور کمال ہوگا۔ بلکہ مقصود اصلی وہی لوگ ہوں گے اور چونکہ ائمہ اثنا عشر علیہم السلام ان صفات کے حامل بدرجۂ اتم ہیں لہذا آیت کا تعلق ان سے بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔

ہم نے یہ جو کچھ لکھا ہے ہرگز بے مدرک نہیں لکھا ہے بلکہ ایک اصول عقلی سے ثابت کیا ہے کہ آیت کا تعلق واقعی ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے ہے مزید توضیح اس کی یہ ہے کہ آیت میں شرط پڑی ہوئی ہے صبر و ایقان کی اور یہ چیزیں بدرجۂ اتم ظاہر ہوئیں ائمہ اہلبیت سے لہذا آیت کا تعلق حسب اصول عقلیہ افراد کاملہ سے ہوگا۔

اب ہم حدیث معصوم سے اس بات کی سند پیش کرتے ہیں کہ واقعاً آیت کا تعلق صرف ائمہ آل محمد سے ہے ملاحظہ ہو حیات القلوب مجلسی علیہ الرحمہ۔

فرات ابن ابراہیم و ابن مہیار از حضرت باقر علیہ السلام روایت کردہ اند کہ تفسیر قول حق تعالیٰ وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا" (سورۂ انبیاء) فرمودہ کہ ایں در شان امامان کہ از فرزندان

فاطمہ اند نازل شدہ و مخصوص ایشان است کہ مردم را ہدایت مے کنند بامرِ خدا و ابن مہیار از اں حضرت روایت کردہ است کہ ایں آیہ از برائے امامان ذریت فاطمہؑ نازل شدہ است و روح القدس وحی میکند بسوئے ایشاں در سینہ ہائے ایشاں۔

واضح ہو کہ ہم نے بطور تنزل پہلا طریقہ اختیار کیا ہے یعنی اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ آیت کا تعلق تنزیلی انبیائے بنی اسرائیل سے ہے۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ گو ان سے تعلق مان لیا جائے لیکن معناً یہ آیت ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی طرف راجع ہو گی۔ گویا اہل عناد کے لئے کو چۂ گریز بند کر دیا گیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ آیت کا تعلق تنزیلی ائمہ آل محمدؐ سے ہے اور یہ آیت نازل ہوئی ہے شان میں ائمہ اہل بیت کے۔ دوسرے کا دخل اگر اس میں ہو گا تو بالتبع ہو گا۔ اور یہ دعوے کہ اس کا نزول ہی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی شان میں ہے۔ حضرت باقر علوم علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد سے آپ کو معلوم ہو گیا جو حیات القلوب سے نقل کیا گیا ہے اور اسی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام صاحب وحی ہوتے ہیں واوحینا الیہم فعل الخیرات کی شرح بھی امام نے فرما دی ہے۔

اب تو ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ آیت کا تعلق و ربط ائمہ اثنا عشر علیہم السلام سے کتنا مضبوط ہے جسے کسی معاند و مخالف کی تیز بیانی قطع نہیں کر سکتی۔ عقلاً و نقلاً ہر طرح اس کا مصداق ائمہ علیہم السلام ہیں۔ افسوس ہے ہندوستان کے حوزہ علمیہ کے بعض مغرور افراد علم و دیانت سے بہت دور جا پڑے ہیں اور وہ ناسمجھ بچوں کی معرفت ایسی چیزیں دنیا میں شایع کراتے ہیں جس سے ارشادات ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی صریح توہین ہوتی ہے۔

اس مضمون کے شروع میں ہم نے کہدیا تھا کہ شیعوں کی مذہبی حالت بد تر سے بدتر ہوتی جا رہی ہے اس دعوے کا ثبوت آپ کو اس مضمون کے مختلف حوالوں سے مل جائیگا۔ ایک زمانہ تھا کہ شیعہ چن چن کر فضائل ائمہ کو روایت کرتے تھے۔ کتابیں مدون ہوتی تھیں۔ انھیں اپنے سینے سے لگائے رکھتے تھے اور اسی گرانبہا جوہر کو اپنے لئے باقیات الصالحات میں سے سمجھتے تھے۔ لیکن آج وہ زمانہ آگیا کہ مسلمہ فضائل سے انکار کرنے کو تمغۂ علم و دیانت سمجھا جا رہا ہے اس سے زیادہ مصیبت شیعوں کے لئے اور کیا ہو گی۔

الامام ہو کتاب اللّٰہ الناطق

ہمنے اخبار اثنا عشری کی کسی نمبر میں اس امر کا اعلان کر دیا تھا کہ اب یہ سلسلہ حقائق و معارف بند کر دیا جائیگا
اور اس کے بجائے دوسرا مضمون شروع کیا جائے گا لیکن اس قسم کے اکثر خطوط ہمیں ملے جنمیں
زور دیا گیا ہے کہ یہ سلسلہ منقطع نہ کیا جائے لہذا ہم ان احباب کی فرمائشات کو پس پشت نہیں ڈال سکتے
ہم اس مضمون کا سلسلہ بھی قائم رکھتے ہیں اور دیگر مفید مضامین کا سلسلہ بھی شروع کرتے ہیں
جیسا کہ اس نمبر کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہو گا۔

بعض حضرات کا خیال تھا کہ یہ مضمون کسی کی تردید کے لئے لکھا جا رہا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے
اصل مقصد مضمون کا یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے نور بصیرت کو تیز کریں۔ معرفت امام کی طرف
قدم بڑھائیں۔ خصوصًا ایسے زمانہ میں ان مضامین کی بہت ضرورت ہے۔ جبکہ ہر جاہل و عامی
امامت کا دعوے کر رہا ہے ہر ایک اجہل باصطلاح عوام "پیش امام" کہلا رہا ہے۔ خدا جانے اس
لفظ کے معنی کیا ہیں "پیش امام" ترکیب کونسی ہے ہاں اس ضمن میں ان اعتراضات کیطرف
ضرور توجہ کی گئی ہے۔ جن کے تسلیم کرنے سے راقم مضمون کے نزدیک شان امامت پر حجاب پڑتے
ہوئے نظر آتے تھے۔ ان اعتراضات کا دفعیہ بھی بحمد اللہ دلائل عقلیہ اقوال علما محققین اور
نصوص احادیث اہلبیت علیہم السلام سے کیا گیا ہے۔ اور خوشی کا مقام یہ ہے کہ وہ ارباب علم
جن کے دل میں تعصب کی جھلک نہیں ہے ان جوابات کی معقولیت کو تسلیم کر چکے ہیں۔

اسی دوران میں ہمارے ایک نہایت قابل اور فاضل دوست نے عند الملاقات یہ رائے ظاہر
کی کہ استدلال کی معقولیت میں کلام نہیں۔ لیکن اس مضمون میں روئے سخن جو ایک خاص جانب
ہوتا ہے اس سے تنافر باہمی کا اندیشہ ہے۔ چونکہ ان کا یہ ارشاد محض خلوص پر مبنی تھا اس لئے
عرض کیا گیا کہ اگر آپ فرمائیں تو ہم اس سلسلہ کو قطعًا بند کر دینے پر تیار ہیں۔ بلکہ ایمان کی یہ بات ہے
کہ محض اسی بناء پر اس کی بندش کا اعلان بھی کیا گیا تھا لیکن جب کہ چاروں طرف سے تقاضا شروع
ہوا تو ہم مجبور ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہمارا روئے سخن کسی کی طرف
نہ ہو گا اور پہلے بھی ہوا تو ضرورۃً ہوا ہمیں نہ مجادلہ منظور ہے نہ مکابرہ۔ نہ ہم اپنی علمیت جتانا

چاہتے ہیں۔ علمیت وہ جتائے جو صاحب علم ہو گو اس کے لئے بھی یہ ایک معیوب امر ہے۔ ہمارا مقصد تو صفائی قلب کے ساتھ فضائل امام علیہ السلام کا بیان کرنا ہے۔ والسلام۔ آمدم برسرِ مطلب۔

باز گو از نجد و از یارانِ نجد

تا در و دیوار را آری بوجد

اہل علم جانتے ہیں کہ ارباب حکمت بقدر امکانِ خود حقائق اشیا سے بحث کرتے ہیں فی الحقیقۃ یہ ایک جذبۂ فطری ہے جو انسان کی طبیعت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی حکمت کی خواہش کا اعلان کرتا ہے وہ اپنے چاروں طرف جیسا رنگا رنگ قدرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے تو سوال کرتا ہے یہ کیا ہے؟ یہ سوال ظاہر کر رہا ہے کہ وہ روح جو اس عالم عنصری میں بغرض حصول ارتقا و تحصیل کمالات ایک وقت معین کے لئے اسیر کی گئی ہے۔ ماہیت اشیاء تک پہنچنا چاہتی ہے لیکن تربیت ناقصہ کے حجاب اس پر ڈال دیئے جاتے ہیں اور یہ اشتیاق فطری طفل تسلیوں کے آغوش کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ مسافر اور غریب روح نے آتے ہی چاند کے دھبوں کو دیکھکر کہا یہ کیا چیز ہیں جواب ملا کہ چاند کی ماں چرخہ کات رہی ہے۔ یہ سادہ اور پاکیزہ روح کیا سمجھتی کہ غلط بیانی بھی کیا چیز ہوا کرتی ہے یقین کر بیٹھی اور اس طرح جذبات تحقیق پر ایک کاری زخم لگ گیا۔

یہی جذبۂ تحقیق۔ یہی اشتیاق کیفیات اصلی۔ یہی دریافتِ حقائق اشیاء یہی کمال قوت نظری غرض و غایت حکمت ہے اور یہ غرض و غایت حاصل نہیں ہوتی۔ مگر مشاہدہ اعیانِ اشیاء سے لہٰذا اشیاء عالم کا مشاہدہ اور ان میں غور و فکر کرنا حکیم کی زندگی کا پہلا فرض ہے۔ سنریہم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتے یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کل شئی شہید ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں تمامی آفاق میں اور خود ان کے نفوس میں اس شان سے دکھائینگے کہ حق ان پر بالکل واضح ہو جائے۔ کیا تیرے رب کے لیئے یہ امر کافی نہیں کہ وہ ہر ایک شے پر حاضر و ناظر ہے،

اس مشاہدے پر نظر کر کے اگر حقیقت اشیاء کی بناء پر کوئی حکم لگایا جائے تو وہ کبھی طریقہ حکمت کے

مخالف نہ ہوگا۔ اور اعیان اشیاء کو ان کی معنوی حیثیتوں پر نظر کرکے اگر کوئی خطاب دیا جائے تو کسی عقلمند کو اسمیں چون وچرا کرنے کی گنجائش نہوگی۔

مثال اس کی یوں سمجھئے کہ لفظ میزان بظاہر اس آلہ پر بولا جاتا ہے جس کے دو پلڑے ہوتے ہیں اور جن کے درمیان میں ڈنڈی ہوتی ہے جو ان دونوں پلڑوں کے درمیان واسطہ ہوا کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کو یہ کہنا پڑیگا کہ اس صورت ظاہری پر ہی میزان کا انحصار نہیں ہے۔ بلکہ جہاں جہاں حقیقت میزانیہ پائی جائے گی بلاشبہ ان اشیاء کو میزان کہا جائیگا۔ اگرچہ وہ صورتاً کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں یعنی جس شے کے ذریعہ سے کسی دوسری شئے کا وزن کیا جائے تو یہ شے اول دوسری شئے کے لئے میزان قرار دیجائے گی۔ یہ موازنہ بھی مختلف قسم کا ہوتا ہے اور اسی اختلاف کے لحاظ سے میزانوں کے نام بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت میزانیہ ہر جگہ جاری وساری نظر آتی ہے۔ اس لئے یہ اختلاف صاحب فکر سلیم کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ وزن دو قسم کے ہوتے ہیں ایک محسوس جو کشش ثقل ارضی کا نام ہے۔ دوسرے معقول۔ اب یہ ضروری نہیں ہے کہ وزن معقول کو وزنِ محسوس پر قیاس کیا جائے۔ یہ قیاس غلط اور یقیناً غلط ہوگا مگر لفظ میزان دونوں جگہ بلاتکلف استعمال کیا جائے گا۔ اسی بنیاد پر فن عروض کو شعر کی میزان کہا جاتا ہے اور علم منطق کو میزان علوم سمجھا گیا ہے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ زیارت صفوان بن جمال میں حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ السلام علی میزان الاعمال ومقلب الاحوال وسیف ذی الجلال اب ملاحظہ فرمائیے کہ میزان کے یہاں کیا معنی ہیں۔

قال بعض المحققین ان میزان کل شئ ھو المعیار الذی بہ یعرف قدر ذلک الشئ بینک

ہر شے کی میزان وہ ایک معیار (کسوٹی) ہے جس کے سبب سے اس چیز کی قدر پہچانی جاتی ہے۔

فمیزان یوم القیٰمۃ للناس مایوزن بہ قدر کل انسان وقیمتہ علی حسب عقیدتہ وخلقہ وعلمہ وعملہ لیجزی کل نفس بما کسبت ولیس ذلک الا الانسان الکامل اذ بہ وباقتداء آثارہ وترک ذلک القرب من طریقتہ والبعد عنہا یعرف مقدار الناس وقدر حسناتہم وسیئاتہم فمیزان کل امۃ ھو نبی تلک الامۃ ووصی نبیہا والشریعۃ التی اتی بہا فمن

ثقلت موازینه فاولئک هم المفلحون ومن خفت موازینه فاولئک الذین خسروا انفسهم

روی الصدوق رحمۃ اللہ باسنادہ عن ہشام ابن سالم قال سالت اباعبد اللہ علیہ

السلام عن قول اللہ تعالےٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئاً

قال ہم الانبیاء والاوصیاء وفی روایۃ اخری عنہم علیہم السلام نحن الموازین

القسط وما ورد انہ یوزن بہ الصحف فالمراد بالصحف النفوس الانسانیۃ

وما ورد ان لہ لسانا وکفتین فتمثیل للمعنی بالصورۃ کما ورد فی سائر نظائرہ"۔ پس روز

قیامت کی میزان آدمیوں کے لئے وہی ہے جس کے ساتھ ہر ایک انسان کی قدر و قیمت اس کے

عقیدے اسکے اخلاق اور اس کے علم و عمل کے لحاظ سے وزن کی جائے گی۔ تاکہ ہر ایک انسان کو اسکے

اعمال کی جزا دی جائے اور یہ میزان انسان کامل ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ اور اسی کی پیروی

اور اسی کے طریقے (شریعت) سے قرب و بعد پر نظر کرتے ہوئے انسانوں کی مقدار اور ان کے

حسنات اور سیئات کی قدر پہچانی جاتی ہے۔ پس ہر امت کی میزان اس امت کا نبی اور اسکے نبی کا

وصی اور وہ شریعت جسے وہ نبی لے کر آتا ہے، ہوا کرتی ہے۔ اب جن لوگوں کا پلہ بھاری ہے وہ فلاح یافتہ

ہیں اور جن کا پلہ ہلکا ہے وہ نقصان رسیدہ اور زیاں کار۔ صدوق علیہ الرحمہ نے باسناد خود ہشام

ابن سالم سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے آیہ وانی ہدایہ

نضع الموازین" کے معنی پوچھے (یعنی روز قیامت ہم میزانہائے عدل قایم کریں گے اور کسی نفس پر

ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا) حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ (موازین عدل) انبیاء واوصیاء

ہیں اور دوسری روایت میں انھیں حضرات سے منقول ہے کہ ہم موازین عدل ہیں۔ اور یہ جو وارد

ہوا ہے کہ اس میزان میں صحیفے وزن کئے جائیں گے تو یہاں صحیفوں سے مراد نفوس انسانیہ ہیں

اور یہ جو وارد ہوا ہے کہ اس میزان کے دو پلے ہوں گے اور ڈنڈی بھی ہوگی تو یہ ایک معنویت اور

حقیقت ہے جسے صورت کی مثال میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس کے نظائر میں بھی تمام مقامات

پر وارد ہوا ہے۔

جب آپ اس مثال کو سمجھ سکے اور معلوم کر چکے کہ اس بارے میں اصول حکمت کیا ہے؟ تو اب

آئیے کتاب کی طرف اور ملاحظہ کیجئے کہ حقیقت کتاب کیا ہے؟

اربابِ بصیرت جانتے ہیں کہ کتاب وہ شئے ہے جو ذریعہ ہوتی ہے کسی شخص کے اظہار خیالات اور اعلان منشار و اشتہار کمالات کا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی مسلم ہے کہ صاحب کتاب کا منشار یہ نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے صرف خطوط و نقوش وحروف کو دیکھتے چلے جائیں۔ بلکہ اس کی مراد یہہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کے مفہوم کو سمجھیں اور فے الحقیقت یہی مفہوم کتاب کہلانے کا مستحق ہے نہ کہ صرف حروف و نقوش ظاہری حروف و نقوش بمنزلہ لباس ہیں جو جسم معانی کے لئے تراشے گئے ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہہ اجسام و اجساد ہیں جن کی روح وہی معنی و مفہوم ہیں۔ جس طرح جسد بے روح پر انسان کا اطلاق اگر کیا جائے گا تو مجازی حیثیت سے کیا جائے گا۔ اسی طرح صرف حروف و نقوش پر اگر کتاب کا اطلاق ہوگا تو مجازاً ہوگا۔ ورنہ کتاب حقیقی وہی معنے و مفہوم یا روح ہے۔ جب حقیقتِ کتاب آپ پر آشکارا ہوگئی تو یہہ عالم من حیث المجموع کوئی شک نہیں کہ کتاب اللہ ہے۔ جس کے ذرے ذرے سے منشائے قدرت آشکارا ہے۔ ایک ایک پھول پتی صانع کی غرض کا اظہار کر رہی ہے۔ اور یہ تمام ذراتِ عالم۔ تمام گلہائے رنگین۔ بحیثیت اجتماعی اس کتاب کے ورق اس کے حروف اور اور اس کے نقوش و خطوط ہیں۔ جس طرح کتاب کے الفاظ باوجود اختلاف صورت مل جل کر اصلِ موضوع کی طرف دلالت کرتے ہیں۔ یہی کیفیت اجزائے عالم کی خیال فرمائیے۔ اس مقام پر پہنچکر آپ کو مزید غور اب یہ کرنا پڑے گا کہ وہ اس عالم کی حیثیت معنوی جسے حقیقی طور پر کتاب کہہ سکتے ہیں کیا ہے؟ یا یہ کہئے کہ اس عالم کی جو بمنزلۂ جسد و جسم ہے روح کیا شئے ہے؟۔ پھر اسی روح اور اسی معنویت و حقیقت کو ہم کتاب اللہ کہیں گے۔ اور اسی روح معنویت و حقیقت کو ہم اس کتاب کے ایک ایک نقش و وحرف میں جاری و ساری دیکھیں گے۔ بشرطیکہ حجاب وسواس قلب پر حاوی نہ ہوں۔

اس تحقیق روح عالم کے وقت آپ کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ عالم میں ایک کامل کا وجود ضروری ہے۔ ہر زمانے میں ہر آن میں بلکہ جب آن و آنیات وزمان و زمانیات کا وجود تھا سوقت بھی اس کا وجود نظر آئے گا۔ یہ ضرورت ہم اس واسطے تسلیم کرتے ہیں کہ مجموعہ عالم پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہر شئے اپنے اپنے مقام پر کامل ہے۔ لیکن جب ان اشیاء کا تقابل کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے مقابلہ میں یہ ضرور ناقص ہیں۔ جیسا کہ کسی عاقل بصیر سے مخفی نہیں۔ جب یہ سب ایک دوسرے کے مقابل میں آکر ناقص ٹھیرتی ہیں تو یہ بھی ایک بدیہی مسئلہ ہے کہ ناقص کا مجموعہ بھی ناقص ہوا کرتا ہے۔ اور جب تمام مجموعہ عالم ناقص ہے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ نقص مصنوع نقص صانع پر دلالت کیا کرتا ہے۔ اس میں بھی کسی عاقل کو کلام نہیں لہذا معلوم ہوا کہ عالم میں ایک کامل کا وجود عقلاً ضروری ہے تاکہ ذات احدیت میں نقص لازم نہ آئے۔ اب خیال کرو کہ اس کامل کو عالم سے وہی نسبت ہے جو روح کو بدن سے جس طرح بغیر روح کے بدن بیکار اور ناقص ہے اسی طرح بغیر کامل کے یہ عالم ناقص اور بیکار ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ بدن کی پیدائش نہیں ہے۔ مگر روح کے لئے۔ اسی طرح عالم کی پیدائش نہیں ہے مگر اسی کامل کی خاطر۔

واضح ہو کہ وجود بحیثیت غرض و غایات دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وجود شئے لغیرہ دوسرے وجود شئے لذاتہ آخر الذکر کے لئے جو فضیلت ہے وہ وجود شئے لغیرہ کے لئے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو ایک مقدمہ کے مانند ہوتا ہے دوسرے کے لئے۔ مثال میں اسی بدن کو لو۔ اس کا وجود ہرگز لذاتہ نہیں ہے بلکہ یہ روح کے قیام کی غرض سے بنایا گیا ہے اور جو کچھ اس کی تربیت عمل میں آتی ہے وہ صرف روح کی خاطر۔ اسی طرح مقصود خلقت عالم سے وہی ہے جو کامل ہو۔ اسی لئے یہی کامل علت پیدائش اشیاء ہے نہ کہ خود اشیاء لان المراد من الاشیاء غایاتھا اور یہ مضمون حدیث مشہور و معروف لولاک لما خلقت الافلاک سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔

ان دلائل ایمانیہ یقینیہ سے جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ کامل کو اس عالم سے وہی تعلق ہے جو روح کو بدن سے۔ تو اب ہمیں یہ کہدینے میں کوئی باک نہیں کہ روح عالم وہی ہے۔ یہاں تک تو تھا رنگ مجاز۔ لیکن جب حقیقت کی آنکھ کھول کر دیکھو گے تو تمہیں نظر آئے گا کہ ہر ایک شئے سے اسی روح کامل واکمل یا روح اعظم کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ عجب نہیں کہ معیت قیومیہ اسی سے عبارت ہو اس لئے

کہ ذات واجب الوجود کو ممکن وحادث سے تعلق نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسی ذات کے واسطے سے جو وجوب وحدوث دونوں شان رکھتی ہو۔

تامجمع امکان و وجوب نہ نوشتند — مورد متعین نشد اطلاق اعم را
تقدیر نشانید بہ یک ناقہ دو محمل — سلمائے حدوث تو و لیلائے قدم را

ہم حادث ہیں پس ہم سے جس معیت قیومیہ کا تعلق ہوگا اس میں حدوث ذاتی کی شان ضرور پائی جانی چاہیئے "فھی المعیۃ القیومیۃ الواحدیۃ والکلمۃ التی قامت بھا السموٰت والارض والقوۃ التی اشیر الیھا فی دعاء عظیمۃ القدر السمات وبقوتک التی تمسک بھا السماء ان تقع علی الارض الا باذنک وتمسک السموٰت والارض ان تزولا" یہی معیت قیومیہ واحدیہ ہے۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کے سبب سے زمین وآسمان قائم ہیں۔ یہی وہ قوت ہے کہ دعائے سمات میں جسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ الہی اُس قوت کا واسطہ جس کے سبب سے تو آسمان کو روکے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے۔ اور گرے تو تیرے اذن سے گرے اور اسی قوت کے ساتھ تو زمین وآسمان کو زائل ہونے اور اپنے مرکز سے ہٹ جانے سے روکے ہوئے ہے"

پس یہ معیت قیومیہ جو ہمارے ساتھ ہے ہمیں فنا سے روکے ہوئے ہے وہ معیت قیومیہ واحدیہ ہے جو مقام مظہریت کاملہ تامہ ہے اور وہ معیت قیومیہ جو معیت قیومیہ احدیت کہلاتی ہے اس کا تعلق اپنے مظہر کامل سے ہے۔

غرض یہی روح اکمل واتم واعظم ارواحِ جزئیۂ عالم سے وہی تعلق رکھتی ہے جو عام روحیں بدنوں سے۔ پس فی الحقیقت روح عالم یہی ہے اور منشائے خالق کا ظہور بطور اتم اسی سے ہوتا ہے عبداللہ بنا عرف اللہ بنا۔

قال بعض المحققین۔ لما شابہ العالم الانسان فی ترکبہ من روح وجسد مع انہ اکبر صورۃً قیل فیہ انہ الانسان الکبیر ولکن انما یصح ھذا القول وبصدق بوجود الانسان الکامل فیہ اذ لو لم یکن موجوداً فیہ کان کجسد ملقی لا روح فیہ الا مجازاً وکما یقال للعالم الانسان الکبیر کذالک یقال للانسان العالم الصغیر وکل من ھذین القولین انما یصح بحسب الصورۃ لاجمال احدھما وتفصیل الاٰخر واما بحسب المرتبۃ فالعالم الکبیر اذ للخلیفۃ الصغیر

والانسان الکامل ھوالعالم الکبیر اذ للخلیفۃ الاستعلاء علی المستخلف علیہ۔ ایک محقق کا قول ہے کہ عالم کو انسان سے تشبیہ دی گئی ہے اور وجہ شبہ یہ ہے کہ جس طرح انسان روح و جسد سے مرکب ہے اسی طرح عالم بھی اور از روئے صورت ظاہری چونکہ عالم بڑا ہے اسی لئے اسے انسان کبیر کہا گیا ہے لیکن یہ قول کہ یعنی عالم کا انسان کبیر ہونا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ انسان کامل کا وجود اسمیں پایا جائے اس لئے کہ اگر اسکا وجود نہ ہوگا تو وہ اس جسد کی مانند ہوگا۔ جس میں روح نہ ہو اور کوئی شک نہیں ہے کہ انسان کا اطلاق اس جسم پر جس میں روح نہ ہو مجازی حثیت سے ہوگا پھر جسطرح کہ عالم کو انسان کبیر کہا جاتا ہے اسی طرح انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے اور یہ دونوں قول بحسب صورت ظاہری صحیح ہیں۔ کہ ایک مجمل ہے ایک مفصل۔ لیکن بلحاظ مرتبہ و منزلت عالم جو ہے وہ انسان صغیر ہے اور انسانِ کامل جو ہے وہ عالم کبیر ہے۔ اس لئے کہ یہی انسان کامل خلیفۂ خدا ہی اور خلیفۂ خدا کیلئے رفعت مرتبت و منزلت اُس مخلوق پر ضروری ہے جس پر اسی خلیفہ بنایا گیا ہو اب تو یہ امر اچھی طرح روشن اور مبرہن ہو گیا کہ انسان کامل ہی اس عالم کی روح ہے اور منشائے خالق اسی سے بطور کمال و تمام ظاہر ہوتا ہے لہذا اب ہم بلا شک و شبہ کہتے ہیں کہ وہی واقعاً کتاب اللہ الناطق ہے اور وہی حقیقی مرجع ہے ذلک الکتاب لا ریب فیہ کا وہی پیشوائے مطلق ہے اور وہی کتاب اللہ الناطق ہے۔ فان الامام ھو کتاب اللہ الناطق وھذا ھو مراد کل من اراد الخیر والسداد واما من ابتغی الفساد واظھر العناد فان ربک لبالمرصاد

مشہور واقعہ ہے کہ جنگ صفین میں جب از راہ فریب نیزوں پر قرآن بلند کئے گئے تو امام مطلق اور کتاب اللہ الناطق نے فرمایا واضربوھم ولو علی مصاحفھم ضرور ان پر تلواریں برساؤ اگرچہ ان کے مصحفوں کو صدمہ پہنچے یہ قرآن اگر واقعی قرآن ہیں بھی، تو گونگے قرآن ہیں اور میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں

ہم اس دعوے کا ثبوت دوسرے طریق سے شروع کرتے ہیں تاکہ مومنین عارفین کے قلوب صافیہ میں اور نورانیت پیدا ہو۔ سنئے۔ کسی قائل توحید کو شک نہیں کہ ذرّے ذرّے

سے شانِ خداوندی اور اس کے کمالات آشکار و ہویدا ہیں اس حقیقت پر نظر کرتے ہوئے ایک ایک ذرہ کتاب خدا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر نظر انداز نہ ہوگا کہ جس شے کا تاکّد زیادہ ہے اسی قدر اس میں کتاب کا تاکّد بھی زیادہ ہوگا۔

یعنی جو شے جس منزلت میں ہے اسی منزلت کے لحاظ سے وہ کتاب خدا ہوگی یعنی ناقص ہے تو ناقص اور کامل ہے تو کامل۔ جب یہ امر مبرہن ہو چکا تو موجوداتِ عالم میں انسان ایک عجیب و غریب ہستی ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اس پر صریحاً دال ہے تو اب دوسری چیزوں کے مقابلہ میں انسان کو سب سے بڑی خدا کی کتاب کہیں گے۔ قال کتاب اللہ الناطق ؎

اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ　　وفیك انطوی العالم الاکبر

وانت الکتاب المبین الذی　　باحرفه یظهر المضمر

جو استدلال ہم ان کلماتِ مقدسہ سے پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ تو ظاہر ہی ہے لیکن ہم ایک نکتہ لطیفہ کی طرف بھی اشارہ کرنا چاہتے ہیں جس سے قلوبِ عارفین میں ایک برق چمک اٹھے اور یہ وہ تجلی ہو جس کی حرارت تاابد کم نہ ہو بلکہ ہمیشہ ترقی ہی کرتی رہے۔

اسی مضمون میں ابھی ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ عالم کبیر و اکبر فی الحقیقت انسان کامل ہے اور امیر المومنین علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسان کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے حالانکہ تجھ میں عالم اکبر موجود ہے۔ اب عالم اکبر کے معنے ہم نے انسان کامل کے لئے ہیں۔ تو اب مفہوم یہ ہوگا۔ اے انسان تجھ میں عالم اکبر اور انسانِ کامل کا وجود ہے پھر اس سے کیا مراد ہوگی۔ اس سے مراد ہوگی وہی معیت قیومیہ جس کا تعلق سب سے ہے اور وہی حقیقت عقلانیہ محمدیہ وعلویہ جو ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ اب دیکھو آیۂ قرآنیہ کو لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم۔

یہ رسول جو تمہاری نگاہوں میں جلوہ گر ہے تمہارے نفوس میں سے ظاہر ہوا ہے تمہاری مشکلات اسے ناگوار گزرتی ہیں۔ وہ تمہارا مشکل کشا ہے وہ تمہاری گرہ کشائیوں پر حریص ہے

اور مومنین کے لئے وہ رؤف ورحیم ہے۔

خوب یاد رکھو کہ کسی کی مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے اس درجہ پر آمادہ ہونا کہ حریص کا خطاب مل جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اسوقت کہ کسی سے خاص تعلق خاطر ہو۔ یہ ایک مشاہدہ و محسوس ہے۔ یہی تعلق ہے خاتم الانبیاء کو مخلوقات عالم سے اور اسی تعلق کی بنا پر ہدایت کاملہ کی شان اسطرح اس سے ظاہر ہوئی جسکا منظر اور کہیں نظر نہیں آتا اور یہی شان ظاہر ہوئی اس کی آل اطہار سے۔ غرض یہ نفوس سے رسول کا آنا بتا رہا ہے کہ آفتاب حقیقت محمدیہ کا طلوع ہر ایک نفس سے ہو رہا ہے اور اسی شے کا نام ہے معیت قیومیہ واحدیہ۔ اللھم صل علے محمدؐ وال محمدؐ۔

اب دیکھئے دوسرے شعر کے مفہوم کی طرف۔ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف سے چھپی ہوئی شے آشکار ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت نے اس شعر میں انسان کو کتاب مبین سے تعبیر کیا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ دیگر اشیاء عالم میں انسان کتاب مبین ہے اور اسی میں وہ صفت ناطقیت ہے جو اسے دیگر حیوانوں سے ممتاز کر دیتی ہے اب انسانوں میں بھی جو فرق مراتب ہے وہ ظاہر ہے اور سرتاج انسانیت بلکہ روح عالم ہے۔ انسان کامل تو وہ بدرجہ ادلے خدا کی کتاب ناطق اور کتاب مبین ہوگا اور یہی وہ کتاب مبین ہے جو ہر شئے کا احصا کئے ہوئے ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے آیہ وافی ہدایہ کل شیئ احصیناہ فی امام مبین۔

حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دو شخص اٹھے اور کہنے لگے یارسول اللہ اس سے کیا مراد توریت ہے۔ فرمایا نہیں۔ عرض کیا پھر کیا انجیل مراد ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ التماس کیا تو کیا اس سے قرآن کی طرف اشارہ ہے فرمایا نہیں۔ اسی اثنا میں امیر المومنین تشریف لے آئے۔ رسول اللہ نے آپ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ ہے اور یہی وہ امام ہے جسمیں خداوند عالم نے ہر ایک شے کے علم کا احصا کر دیا ہے۔

یہی وہ ذات مقدس ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شی ہم نے کتاب جامع میں کسی قسم کی کمی نہیں کی۔ ہر چیز اس کے اندر موجود ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے۔ وانزلنا الیک الکتاب تبیانا لکل شی۔ ہم نے تیری طرف وہ کتاب نازل کی ہے جو ہر شئے

کے لئے بیان روشن ہے۔

بحمد للہ اس بیان روشن سے واضح ہو گیا ہے کہ وجود امام فی الحقیقت کتاب ناطق ہی ہے یعنی صفت ناطقیت انسان کو عام حیوانوں سے ممتاز کرتی ہے اور یہی صفت نطق انسان کامل کو اور انسانوں سے علیحدہ کرتی ہے۔ یعنی انسان حیوان ناطق اور یہ ذات لاہوتی صفات انسانی

اہل عقل پر روشن ہے کہ شان نطق کامل یہ ہے کہ اس میں کسی حیثیت سے بھی صُمت کی شان نہ پیدا ہو اور یہ بات پیدا ہو نہیں سکتی مگر اس میں جس کے کل علوم من اللہ ہوں۔ اسی کا نام علم لدنی ہے۔ پس ایسا ہی عالم فی الحقیقۃ ناطق کہلا سکتا ہے۔ یہی حجت خدا ہے اور اس کی ایک شناخت اور ایک زبردست شناخت یہی ہے۔ الحجۃ من لا یقول لا ادری۔ حجۃ خدا وہ ہے جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ پس فی الحقیقت یہی ناطق کامل ہے یہی امام برحق ہے اور اسی کی ذات ہے جو کتاب اللہ الناطق کہلا سکتی ہے۔

ہم نے اپنے دعوے کا ثبوت اپنے خیال کے موافق اچھی طرح پیش کر دیا ہے۔ اب اگر کسی کو شبہ در پیش آئے تو اس کے اطمینان کے لئے پھر اس مبحث پر قلم اٹھایا جا سکتا ہے گو ابھی بہت سے جنا یا مزایائے کلام میں باقی رہ گئے ہیں مگر تفہیم عام کے واسطے سر دست اتنا ہی کافی ہے

الامام ھو المتقدم فی الوجود۔ واضح ہو کہ سطور گذشتہ میں بتا دیا گیا ہے کہ امام فی الحقیقۃ روح عالم ہے۔ عالم کا وجود لغیرہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک جسد کی مانند ہے اور امام یا انسان کامل کا وجود لذاتہ۔ اب وہ وجود لذاتہ ہوتا ہے عقلاً متقدم ہے وجود لغیرہ پر۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ کمالاتِ خداوندی کا آئینہ ہوتا ہے امام۔ اور شان جلال وجمال الٰہی اسی سے نظر آتی ہے اور اسی آئینہ میں ہم شئونِ احدیت کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ فیض خداوندی جو کچھ مخلوقات تک پہنچتا ہے وہ اسی ذات سے پہنچتا ہے کیونکہ عالم فعلی جسمانی ظلمانی میں ذات بسیط مجرد مطلق سے بلا واسطہ فیض حاصل کرنے کی قابلیت مفقود ہے۔ لان ارتباط الحادث بالقدیم بلا واسطۃ محال۔ جب یہ معلوم ہو گا کہ عالم من حیث الجمع والتفریق ذات احدیت کا فیض ہے اور یہ فیض نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ ذریعہ نہ ہو جو اس فیض کو پہنچا سکے۔ آیہ مبارکہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ صاف راز کو کھول رہی ہے۔

حکمائے قدیم کا مشہور مسلک ہے کہ مبدء حقیقی سے پہلے پہل عقل اول کا صدور ہوا اس دعوی کے متعلق جو دلائل انھوں نے بیان کئے ہیں ہمیں ان سے بحث نہیں مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اصل میں انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے۔

از خاک سر رہگذر کوئے شما بود　　　　ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ حکمائے مادیئینِ زمانہ حال بھی تکوّنِ اول شمس کو بیان کرتے ہیں۔ گو ان کا مطلب اسی شمس محسوس سے ہے اور ہم تفسیر قول بما لا یرضیٰ قائلہ کے مرتکب نہیں ہونا چاہتے۔ لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ انسان قہری طور پر صادر اول ایک ہی تسلیم کر رہا ہے۔ اور باقی کائنات اسی کے سبب سے ظاہر ہوئی ہے۔ یہ جذبۂ فطری فی الحقیقت راجع ہے۔ اسی امر کی طرف جس کی جانب ہم اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ واقعی فیض واجب کو حاصل کرنے کے لئے ضرور ایک واسطہ کی ضرورت ہے جو ذو جہتین ہو۔ اسکی محسوس مثال یہ ہے کہ سورج ایک مادی اور محسوس شے ہے لیکن شدتِ نورانیت کے سبب سے ہماری آنکھیں اس پر جم ہی نہیں سکتیں یہ ناقابلیت ہماری طرف سے ہے سورج کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن اسی سورج کے کمالات جب آئینۂ قمر میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو ہم اسے اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اسی محسوس مثال کو معقولات میں لے جاؤ تو معلوم ہو گا کہ شمس احدیت کے انوار جلال و جمال کا نظارہ ہم نہیں کر سکتے۔ مگر ایک ایسے آئینہ میں جو ان انوار کو ہمارے سامنے پیش کر سکے۔ اب عقل حکم کرتی ہے کہ یہ آئینہ سب سے مقدم ہونا چاہئے۔ یا یوں کہو کہ وہ وجود جو ذریعہ نشر فیض فیاض مطلق ہے اس کا وجود سب سے پہلے ہونا عقلاً ضروری ہے اگر کوئی شخص غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ لفظ "امام" خود ہی اپنے معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ امام کے معنی یا تو یہ لو کہ امام اس وجود کو کہتے ہیں جس کی طرف سب رجوع کریں گویا وہ سب کا مرجع ہو۔ اس حالت میں بھی مرجع کا وجود عقلاً مقدم ہونا ضروری ہے اور یا بمعنی "پیشوا" فی الحقیقت یہ بھی مفہوم اول ہی ہے جو بتغیر الفاظ بیان کیا گیا ہے۔ اب ہم اس لفظ کے معنی پر نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیشوائے مطلق وہ ہے جو ہر حیثیت سے پیشوا ہو۔ کیا بلحاظ وجود کیا بلحاظ علم وغیرہ۔

اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھئے کہ لفظ "امام" جنس ہے جس کے ماتحت انواع متعددہ ہیں اور لفظ امام ان سب پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً موجودہ زمانے کی اصطلاح میں پیش نماز کو بھی امام کہتے ہیں اور جو کسی فن میں مہارتِ تامہ رکھتا ہو وہ بھی اس فن کا امام کہلاتا ہے۔ اہل اسلام نے شاہانِ وقت کو بھی امام کہکر پکارا ہے۔ پیشوایان مذاہب کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ لہذا اس جنسیت پر نظر کرتے ہوئے امامت مطلقہ متحقق نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ کوئی فصل ممیز بیان نہ کی جائے اور وہی تعریف حدتام کہلاتی ہے جو جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہو اور فصل قریب یہی ہے کہ ذات شے میں داخل ہو اور عوارضات سے نہ ہو۔ اب وہ شے جو ذات امام میں داخل ہو جس کی بنا پر ہم اسے امام مطلق سمجھ سکیں نہیں ہے مگر تقدم فی الوجود والعلم والقدرۃ والحکم اور اسی سے ہم امام مطلق کو شناخت کر سکتے ہیں۔

قال بعض المحققین انا نقول فی تعریف الامامۃ وبیان جنسہا وفصولہا الامامۃ ریاسۃ عامۃ یقتضی فصولا اربعۃ التقدم والعلم والقدرۃ والحکم واذا انقصت ھذہ الفصول انتقص الجنس فلا تعریف اذاً فلا معرفۃ فلا ریاسۃ عامۃ فلا امامۃ وھی ریاسۃ عامۃ

ایک محقق کا قول ہے۔ اب ہم تعریف امامت اور اسکی جنس وفصول کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امامت ایک ریاست عامہ ہے جو فصول اربعہ کی مقتضی ہے اور وہ فصول اربع یہ ہیں۔ تقدمؔ فی الوجود۔ علمؔ۔ قدرتؔ۔ حکمؔ اور اگر یہ فصول ناقص ہوئیں تو جنس بھی ناقص ہو جائیگی۔ اس حالت میں تعریف بھی نہ رہے گی۔ اور جب تعریف ہی نہیں تو اسکی معرفت نہ ہوئی اس صورت میں ریاست عامہ بھی متحقق نہوگی جب نہوگی تو امامت بھی نہ رہیگی۔ حالانکہ امامت ریاست عامہ ہے

پس اس مقام سے ظاہر ہوا کہ امام کے لئے تقدم وجود ضروری ہے اور یہی تقدم وجودی اثباتِ ریاست عامہ کماحقہ کر سکتا ہے۔ پس امام مطلق وہی ہے جو خلقۃً سب سے مقدم ہو اسی فصل سے محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم کی ریاست عامہ کا راز کھلتا ہے۔ اور رسول اللہ نے جو بار بار فرمایا ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ اول ما خلق اللہ روحی آخر یہ کیوں؟ کیا محض اس لئے کہ سن لو اور خوش ہو جاؤ۔ بلکہ اس ارشاد میں حقائق پوشیدہ ہیں عبادت پرستوں

سے بحث نہیں۔ مگر وہ لوگ جو معانی اور روح معانی تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ آپ نے اس تقدم کا اعلان فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ پیشوائی مطلقہ ہمارے ہی لئے ہے نہ کہ غیر کے واسطے اور یہی وہ امامت مطلقہ ہے جس کا وجود کل مخلوق سے پہلے تھا اور مبدء حقیقی سے جو شئے پہلے پہل صادر ہوئی۔ انھیں ائمہ کا وجود مقدس تھا اور اس بارے میں روایات واخبار اس کثرت سے وارد ہوئے ہیں جنکا ہرگز انکار ہو نہیں سکتا۔ اور مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ان احادیث سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہاں معاند اور منکر محض کا کسی کے پاس علاج نہیں۔ اس سے خطاب ہی بیکار ہے۔

جب تقدم فی الوجود امام کے لئے ثابت ہو چکا تو اب غور کرو کہ امام کو اپنے ماموین کی ضروریات کا علم ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ امامت امامت ہی نہیں بلکہ یہ ایک تمسخر ہے۔ اور ہم ان عقلوں پر سوائے افسوس کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں جو امام کے لئے جہل تجویز کریں اور جاہل ہونا قادح امامت نہ سمجھیں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امامت ایک ریاست عامہ ہے اور ریاست عامہ یہ ہے کہ کوئی شئے بھی اس کے حلقے سے باہر نہ ہو۔ چند روز کی حکومت جبریہ کا نام ریاست عامہ رکھنا۔ انھیں عقلوں کا کام ہو سکتا ہے جو امام کو جاہل تجویز کیا کرتی ہیں۔ باقی ایک وسیع الخیال شخص تو ریاست عامہ کے مفہوم کو اسی بلندی پر دیکھیگا جسپر کہ اسے ہونا چاہئے۔ پس جب ریاست عامہ یہ ہے کہ عرش سے فرش تک کوئی شئے اس ریاست سے باہر نہ ہو یعنی وہ کل مخلوق کا مرجع ہو تو اب ضروری ہے کہ اس تمام مخلوقات کے نہ صرف وجود کا اسے علم ہو بلکہ انکی ضروریات سے بھی باخبر ہو اور کسی قسم کی مخلوق ہو۔ اور اس سے کسی قسم کا سوال کرے مگر وہ اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ لا ادری۔ میں نہیں جانتا۔ اس لئے کہ اس حالت میں امام یقیناً نہیں رہسکتا کیونکہ جہل، منافی امامت ہے۔ یقیناً وقطعاً اب سوچو تو سہی کہ اس کا علم کس قدر وسیع ہوگا وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا کسی مخلوق کے تصور میں بھی نہیں سما سکتی۔ فان البحر لا ینزف وسر الغیب لا یعرف وکلمۃ اللہ لا توصف سمندر کبھی ختم نہیں ہو سکتا سر غیب کی معرفت کما حقہ حاصل ہو نہیں سکتی اور کلمۃ اللہ کا وصف بیان نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ علم جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا باکتساب حاصل ہونا محالات عقلیہ میں سے ہے
لہذا ضروری ہے کہ یہ علم براہ راست علیم مطلق کی بارگاہ سے اس پر نازل ہو گو یا اس کی فطرت
میں یہ علم داخل ہو۔ یہی علم علم لدنی ہے مگر علے وجہ الکمال۔ جس میں کسی قسم کی کمی نہیں ما فرطنا
فی الکتاب من شیئ وکل شیئ احصیناہ فی امام مبین یہ دونوں آیۂ مقدسہ اس منزلت علیہ کیطرف
بخوبی اشارہ کر رہی ہیں۔

اب اگر تقدم حاصل ہو اور علم نہ ہو تو ایسی حالت میں تقدم بیکار چیز ہے۔ اس سے کوئی
فائدہ نہیں۔ لہذا امام کے لئے عقلاً ضروری ہے کہ وہ علوم احدیت کا جاذب کرنیوالا ہو۔ اب
اگر تقدم وجودی بھی رکھتا ہے لیکن قدرت اُسے حاصل نہیں ہے تو بھی یہ دونوں چیزیں بیکار
ہیں۔ واضح ہو کہ جس ذات کے لئے صفات عین ذات ہیں وہاں قدرت عین علم ہے اور علم عین
قدرت۔ برخلاف اس کے جہاں یہ صفات زائد بر ذات ہیں وہاں ایسا نہیں ہے کہ علم عین قدرت ہے
اور قدرت عین علم۔ علم و قدرت وہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور جس طرح بغیر قدرت کے
تقدم اور علم بیکار ہیں اسی طرح بغیر حکم کے قدرت بیکار ہے۔ فالامامۃ ھی ریاسۃ عامۃ
والامام ھو المتقدم العالم الحاکم المتصرف علی الاطلاق۔

اب ہم دوسری حیثیت سے اس مسئلہ کو لیتے ہیں کہ صفات کمالیہ خداوندی رجوع کرتے
ہیں اصول اربعہ کمالات کی طرف یعنی حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ یہی وہ چیزیں ہیں جو مبدء
فیاض کی طرف سے تمام مخلوق کو تقسیم ہوئیں ہیں اور ہر مخلوق کو بقدر استعداد ان کمالات میں سے
حصہ ملا ہے۔ اب وہ ذات کہ جس کے ذریعہ سے یہ کمالات تقسیم ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اسکا
وجود سب سے پہلے ہو اور اسے باعتبار واسطہ ہونے کے چونکہ اس کی استعداد سب سے
قوی ہے کہ اس سے فوق اور کسی کی استعداد متصور نہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ یہ کمالات
بوجہ اتم اُسے حاصل ہوں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ صاحب امامت مطلقہ امام فی الوجود ہوتا
ہے۔ امام فی الحیات ہوتا ہے۔ امام فی العلم ہوتا ہے۔ امام فی القدرت ہوتا ہے امام فی الارادہ
ہوتا ہے فھذہ الریاسۃ العامۃ ھی الخلافۃ الالھیۃ لاغیر وھذا الامام ھو خلیفۃ
اللہ فی العالمین۔ یہ حیثیت معنوی جو ہم نے دکھائی ہے اور یہ مقام مظہریت جس کی طرف

ہم نے اشارہ کیا ہے۔ اس مقام میں خلافت و امامت و ولایت کی حدیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ مگر فی الحقیقت یہ تمام مناصب بحیثیت مظہریت رجوع کرتے ہیں خلافت عظمےٰ الٰہیہ کی جانب۔ یعنی ایسا وجود مقدس خدا کا قائم مقام ہوا کرتا ہے۔ فالامام ھو خلیفۃ اللہ وھو الانسان الکامل ولہ الاولیۃ والاخریۃ والظاھریۃ والباطنیۃ والعبودیۃ والربوبیۃ اما الاولیۃ فظاھر مما اسلفنا والیہ الاشارۃ بقولہ صلے اللہ علیہ وآلہ اول ما خلق اللہ نوری او روحی مع انہ اول بالقصد والرتبۃ ایضاً واما الاخریۃ فلانہ اٰخر مراتب الوجود فی سلسلۃ العود واٰخر ما یظھر من الموجودات فی الخارج واما الظاھریۃ فبالجسم والخلق واما الباطنیۃ فبالروح والامر واما العبودیۃ فبا الحاجۃ والحدوث والمربوبیۃ واحتمال التکالیف والاذی واما الربوبیۃ فللتربیۃ لافراد العالم کلھا بالخلافۃ الالھیۃ والنشاءۃ الروحانیۃ فانہ یاخذ من جھۃ الروحانیۃ عن اللہ سبحانہ ما یطلبہ الرعایا ویبلغہ بجھۃ الجسمانیۃ الیھم وبھاتین الجھتین تیم امر خلافۃ کما قال سبحانہ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیھم ما یلبسون لیجالسکم فیبلّغکم امری ولکل من افراد الانسان نصیبٌ من ھذہ الخلافۃ کاملاً کان او ناقصاً بقدر حصّۃ انسانیۃ کما قال اللہ تعالے ھو الذی جعلکم خلائف فی الارض مخاطبا للکل فالکل مظاھر جلال ذاتہ وجمال صفاتہ فی مراۃ اخلاقھم الربانیۃ حیث تجلی لھم فی قلوبھم الزکیۃ والناقصون یظھرون جمال صنائعہ وکمال بدائعہ فی مراۃ حرفھم وصنائعھم حیث استخلفھم فی کثیر من الاشیاء وابرزہ فی ایدیھم کالنجرۃ والخیاطۃ والبناء بعد ان خلقھم بالاستقلال ؎

بادشاہاں مظہر شاہیٔ حق	عالماں مرآت آگاہیٔ حق
خوبرو آئینۂ خوبیٔ او	عشق ایشاں عکس مطلوبیٔ او

ومن خلافتھم تدبیر کل منھم ما یتعلق بہ من الامور کتدبیر السلطان لملکہ وصاحب المنزل لمنزلہ وادناہ تدبیر الشخص لبدنہ والخلافۃ العظمی

للكامل وقدوس دكلكم راع وكلكم مسئول عن رعیتہ

پس امام فی الحقیقت خلیفۃ اللہ ہے وہ اول بھی ہے آخر بھی۔ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اسی کے لئے ہے عبودیت وربوبیت۔ اب رہی اولیت اس کی طرف اشارہ ہو چکا اور اسی کی طرف حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو یا میری روح کو پیدا کیا۔ ہاں یہ اولیت بالقصد ہے اور اس کے رتبے اور منزلت کے لحاظ سے بھی۔ رہی آخریت وہ اس لئے ہے کہ امام یا خلیفۃ اللہ یا انسان کامل سلسلۂ عود میں سب کے بعد ہے یا یوں کہو کہ موجودات میں سب سے آخر اس کا ظہور ہوا ہے۔ اور ظاہریت بلحاظ جسم و عالم خلق ہے اور باطنیۃ روح اور امر کے لحاظ سے۔ اب عبودیت اس کے واسطے یوں مسلم ہے کہ وہ بالذات محتاج ہے۔ حادث ہے۔ مربوب ہے۔ تکالیف وافتنیں اس پر وارد ہوتی ہیں۔ لیکن ربوبیت اس لئے کہ وہ کل افراد عالم کی تربیت کرتا ہے۔ خلافت الٰہیہ اور نشأۂ روحانیہ کے لحاظ سے پس وہ از جہتہ روحانیت مطلوبات رعایا کو خداوند عالم سے اخذ کرتا ہے اور از راہِ جسمانیت ان کی طرف پہنچاتا ہے۔ انہیں دونوں جہتوں کے سبب سے امر خلافت انجام کو پہنچتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ اگر ہم اس (رسول) کو فرشتہ خلق کرتے تو بھی ہم اسے مرد ہی خلق کرتے اور اسے وہی لباس (انسانیت) پہناتے جو یہ پہنے ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ تمہارا ہم جنس ہو۔ اور ہمارا حکم تمہیں پہنچادے اور افراد انسانیہ میں سے ہر ایک فرد کے لئے خواہ وہ کامل ہو یا ناقص۔ اس خلافت کا حصہ اس کی انسانیت کی مقدار کی موافق مقرر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ خدا نے تم سب کو خلیفہ قرار دیا۔ یہ خطاب سب سے ہے۔ اور سب کے سب اپنے اخلاق ربانیہ کے آئینہ میں جلال ذات وجمال صفات کی مظہر ہیں اور انھیں اخلاق پر نظر کرتے ہوئے قلوب مصفٰے میں اس کو تجلی نظر آتی ہے اور جو ناقص ہیں وہ اس کے جمال صنائع وکمال بدائع کا اپنے اپنے پیشوں اور اپنی اپنی صنعتوں کے آئینوں میں اظہار کرتے ہیں۔ بایں حیثیت کہ خداوند عالم نے انھیں بہت سی اشیاء میں خلیفہ بنایا ہے اور ان چیزوں کو ان کے ہاتھوں سے ظاہر کیا ہے جیسے کہ قصابی خیاطی۔ معماری وغیرہ (پس یہ مظاہر تو ہیں لیکن مظاہر ناقصہ) ان کی خلافت کا راز اس طرح معلوم کرو کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے امور متعلقہ کی تدبیر میں مصروف ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنے ملک کی تدبیر میں مشغول ہے اور صاحب خانہ اپنے گھر کے انتظام کی درستی میں اور ادنائے تدبیر یہ ہے کہ

انسان اپنے بدن کی تدبیر میں محو ہے ۔لیکن خلافت عظمےٰ الٰہیہ وہ انسانِ کامل کے لئے ہے ۔حدیث میں وارد ہوا ہے کہ تم سب کے سب اپنی رعایا پر نگہبان ہو اور تم سب سے تمہاری رعایا کی نسبت سوال کیا جائے گا۔

اس تقریر سے خلافت الٰہیہ کا راز کھلتا ہے ۔اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ خدا کس وجود مقدس کو کہتے ہیں ۔یہی وہ خلافت ہے جو ابدالآباد تک باقی ہے ۔ ولقد وصلنا لهم القول لعلهم يتذكرون یہی وہ خلیفہ علے الاطلاق ہے جس کی حکومت جملہ ماسوے اللہ پر جاری ہے اور کوئی شئے اس کے دائرۂ اطاعت سے باہر نہیں ۔وہی مرکز عالم ہے ۔یہی وہ آفتاب عالمتاب ہے جس کے وجود سے ہزارہا نظام شمسی والبتہ ہیں ۔یہی شمس الشموسِ عالم ایجاد ہے اسی حکومت مطلقہ کا نام ولایت مطلقہ ہے ۔یہ حاصل نہیں مگر محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کو۔

باقی تمام نبوتیں رسالتیں اور ولایتیں اسی ولایتِ مطلقہ کے ماتحت ہیں انما وليكم الله ورسوله والذين امنوا الخ یہی وہ خلیفۂ برحق انسان کامل ہے جس کے وجود سے تمام عوالم کا وجود والبتہ ہے ۔طبقات زمین وآسمان اسی کے ماتحتِ حکم گردش کر رہے ہیں۔

الحمد لله الذى جعل الانسان الكامل معلم الملك وادار بانفساره طبقات الفلك کوئی شے اس کی اطاعت سے باہر نہیں ۔اس لئے کہ فیض ربوبیت اسی کی ذات سے پہنچ رہا ہے اور تمام مخلوقات کا مرجع یہی ہے۔

يا ايها الانسان انك كادح الى ربك كدحا فملاقيه ۔ اے انسان تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں سخت کوشاں ہے تو ضرور اس سے ملاقی ہو گا ۔یہ کوشش ایک طبعی کوشش ہے بغیر اس کے مفر نہیں

ایاب الخلق الیکم وحسابهم علیکم

مخلوق کی بازگشت (اے اہل بیت محمدؐ) تمہاری ہی طرف ہے اور ان کا حساب تمہارے ہی اوپر ہے تمہیں ان کے محاسب ہو ۔اس اطاعت کا راز اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو دیدۂ بصیرت کھولو ۔اور دیکھو ۔ ان الله جعل الارض لوجود الانسان الكامل بمنزله امام يجتمع عنده الخلائق من البسائط والمركبات والكائنات العنصرية والاثار السماوية وقبائل

من الملائكة وجنود مجندة من عالم الغيب ليعتدل باجتماعها احوالها وجعل ضوء الشمس ونور القمر ساجدين على بابها والليل والنهار دائبين بما طالعين على ساحتها واطرافها وكذلك جعل الماء والهواء عاكفين على سطحها دائرين حولها وكذلك جعل الكواكب من جهته وقوع اشعتها بمنزلة من يهوى براسه الى التحت للسجود وكذلك النباتات بحسب وضعها الطبيعى الانتكاسى بمنزلة من يضع راسه على البساط للسجود والنجم والشجر يسجدان وكذلك حال الحيوانات فى انكبابها على الارض وخضوعها وكل ذلك لاجل وجود خليفة الله فى هذه الارض وامام الناس وقطب العالم كما قال الله تعالى إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ فالخليفة هو الغاية القصوى من وجود العالم والمقصد الاقصى من خلقة بنى آدم وهو الثمرة العليا واللباب الاصفى وخلق من فضالة سائر الاكوان لحاجته اليها ولئلا يهمل كل قابل ما يستحقه كما قال سبحانه فى حديث القدسى خلقت الاشياء لاجلك وخلقتك لاجلى وقال الله تعالى لولاك لما خلقت الافلاك اى بما فيها وعن النبى صلى الله عليه وآله يا على لولا نحن ما خلق الله آدم ولا حوا ولا الجنة ولا النار ولا السماء ولا الارض ولهذا جعل الله سبحانه المخلوقات العالية والسافلة كلها مسخرة له مطيعة اياه كما قال سبحانه وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا فاشار فى هذه الآيات الى تسخيره لنا الكواكب والحيوانات والنباتات والجمادات ثم اجمل وقال سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وقال خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وكان غير الانسان انما خلق للانسان والانسان خلق للكامل

منه والكامل للاكمل منه والاكمل لله سبحانه انظر ثم انظر الى الكائنات العنصرية كيف سلكت سبيل العالم الانسانى وتوجهت شطر كعبة القبلة الذى فيه ايات بينات فى صيرورة الاجسام الاسطقسية البعيدة الشبه له غذاءً لطيفا بعد تلطفها يسيرا يسيرا وتحولها من حال الى حال وطيها درجات النبات والحيوان وقطع مسالكها البعيدة ودخولها فى بلدة قالبه وعالم طالعة مسلمة له دخول الناس فى دين الله افواجا وذلك لكونها مفطورة فى خدمة الانسان وسجدة آدم حركة اليه طلبا وشوقا وتعين الدين الله طوعا اوكرها لجميع الكائنات فداءً للانسان متحول اليه وليس فيه تبديل الى غيره لا تبديل لكلمات الله فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم فمعاد العالم هو ذات الانسان ومعاد الانسان الى الهوية الالهية وبمفاتيح علمه ومقاليد مملكته تفتح ابواب السماء والارض بالرحمة والمغفرة والحكمة والمعرفة۔

خداوند عالم نے انسان کامل کی خاطر سے زمین کو بمنزلہ امام قرار دیا۔ تمام خلائق خواہ وہ بسائط ہوں یا مرکبات۔ کائنات عنصریہ ہو یا آثار سماویہ۔ ملائکہ کے قبیلے اور عالم غیب کے آراستہ لشکر سب زمین پر جمع ہوتے ہیں۔ تاکہ اس اجتماع سے اس کے مزاج میں اعتدال پیدا ہو۔ پھر شمس و قمر کی ضو کو باب الارض پر سجدہ کرنے والا قرار دیا۔ اور لیل و نہار کو خلق فرمایا کہ وہ اس پر چلیں اور اس کے ساحت اور اطراف پر اطاعت کرتے ہوئے چلیں۔ اسی طرح آب و ہوا کو حکم ہوا۔ کہ وہ اسکی سطح پر اعتکاف کریں۔ اس کے گرد طواف میں مشغول ہوں۔ اسی طرح کواکب کو خلق فرمایا۔ جنکی شعاعیں زمین پر آرہی ہیں۔ گویا کواکب سجدے کے لئے اپنا سر جھکا رہے ہیں۔ یہی کیفیت نباتات کی ہے کہ وہ بجسب وضع طبعی انتکاسی گویا مصلے پر سجدہ کے لئے سر خم کئے ہوئے ہیں۔ حیوانات میں بھی یہی رنگ نظر آتا ہے کہ جن کے سر زمین کی طرف جھکے ہوئے خضوع و خشوع میں مصروف ہیں۔ یہ تمام باتیں خلیفۃ اللہ فی الارض۔ امام الناس اور قطب عالم کے وجود کے سبب سے ظہور میں آرہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ میں زمین میں ایک خلیفہ خلق کرنے والا ہوں۔ نیز فرماتا ہے اس وقت کو اے پیغمبر

یاد کر جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں بجنے والی اور اس مٹی سے جس پر بہت دن گذر چکے ہیں اور جس پر گویا عدم کی ظلمت چھائی ہوئی ہے ایک بشر کو خلق کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اسکا تسویہ کر لوں اس کے اعضا رحالت اعتدال میں آویں اور میں اپنی تھوڑی سی روح (شعاع روح اعظم) اس میں پھونکدوں تو تم فوراً اس کے سامنے سجدہ میں گرجانا پس تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس ساجدین میں شمار ہونے سے منکر ہوگیا۔ پس خلیفہ وجود عالم کی انتہائی غائت ہے۔ خلقت بنی آدم سے مقصد اصلی وہی ہے۔ وہی ثمرۂ اعلیٰ ہے۔ وہی جوہر مصفے ہی اور تمام کون ومکان اسی کی بچی ہوئی مٹی سے خلق کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اسے ان (خدم وحشم) کی ضرورت ہے اور نیز ہر وہ شئے جو کسی نہ کسی خدمت کا استحقاق رکھتی ہے مہمل نہ رہجائے جیساکہ حدیث قدسی میں اپنے حبیب سے مخاطب ہوکر ارشاد ہوا کہ میں نے تمام اشیاء کو تیرے لئے خلق کیا اور تجھے اپنے واسطے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں زمین وآسمان و مافیہا کو خلق نہ کرتا۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے علیؑ اگر ہم نہوتے تو خداوند عالم کو پیدا کرتا نہ حوا کو۔ نہ جنت کو نہ دوزخ کو نہ آسمان کو نہ زمین کو ؎

غرض توئی ز وجود ہمہ جہاں ورنہ

لما تکوّن فی الکون کائنٌ لولاک

اسی لئے خداوند عالم نے مخلوقات علوی وسفلی کو بالتمام اس کا مسخر بنایا، اس کا مطیع قرار دیا جیساکہ ارشاد ہوتا ہے۔ تمہارے لئے لیل ونہار شمس وقمر ونجوم کو مسخّر کر دیا۔ یہ تسخیر اس کے حکم سے ہے۔ اسی تسخیر میں صاحبان عقل کے لئے بیشمار نشانیاں ہیں۔ اور زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے جن کے قسم قسم کے رنگ ہیں یہ تمہارے ہی لئے ہے اس میں دیدۂ عبرت کے لئے بہت سی آیات ہیں۔ وہ خدا جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کردیا تاکہ تم انمیں سے تازہ بتازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے آرائش کی چیزیں نکالو۔ اور انھیں پہنو۔ پس ان آیات مبارکہ میں کواکب وحیوانات ونباتات وجمادات کی تسخیر کی طرف جو ہمارے لئے ہی اشارہ فرمایا ہے یہ تو تفصیل تھی پھر مجملاً ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے وہ تمہارا مسخر ہے نیز جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارا تابع بنایا گیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ غیر انسان جو کچھ ہے وہ سب انسان کے لئے خلق ہوا ہے

اور انسان مخلوق ہوا ہے - انسان کامل کے واسطے - اور انسان کامل اکمل کی خاطر اور وہ اکمل حق سبحانہ تعالےٰ کے لئے۔

دیکھو دیکھو۔ کائنات عنصریہ کو دیکھو۔ کس طرح عالم انسانی کی طرف چل رہی ہیں۔ اور کیونکر اس کعبہ کا رُخ کر رہی ہیں جس میں آیات بینات ہیں - پہلے اجسام اسطقسیہ[۵] کی شکل اختیار کی جو مشابہت بعیدہ رکھتے تھے - پھر ان میں تھوڑا تھوڑا تلطف ہوا - ایک حال سے دوسری حال کی جانب گردش ہوئی درجات نباتیہ وحیوانیہ طے کئے اور ان مسالک بعیارہ کو قطع کرکے غذائے لطیف بناب انکا شیر قالب انسانی و عالم انسانی میں داخل ہوا اسیطرح کہ جیسے کہ لوگوں کا فوج فوج دین الہٰی میں داخل ہونا - یہ تمام امور اسی لئے ہیں کہ یہ اشیاء بالفطرۃ انسان کی طاعت اور آدم کے سجدہ کے لئے مامور ہیں - یہ نہایت ہی شوق اور طلب کے ساتھ متحرک ہیں - دین الہٰی کے سامنے طوعاً وکرہاً سر جھکائے ہوئے ہیں - پس جمیع کائنات انسان پر قربان ہے اس کی طرف پلٹ رہی ہے اس میں ہرگز تبدیلی نہیں - کلماتِ خدا کے لئے تبدیلی کہاں؟ اے صاحب بصیرت تو بھی دین الہٰی کے لئے کھڑا ہوجا اور ثابت قدم رہ کر کھڑا ہو - یہ وہ فطرتِ الہٰی ہے - جس پر خدا نے لوگوں کو مفطور کیا ہے - خلق الہٰی میں تبدیلی ہو نہیں سکتی - یہی دین قیم اور قایم رہنے والا دین ہے - پس تمام عالم کی بازگشت ذات انسان کی طرف ہے اور عام انسان کی انسان کامل کی جانب اور انسان کامل کی ہویت الٰہیہ کی طرف -

اُیاب الخلق الیکم وحسابھم علیکم

پس اسی انسان کامل کے علم کی مفتاح اور اس کی مملکت کی کنجیوں سے زمین و آسمان کے دروازے رحمت و مغفرت و حکمت و معرفت کے ساتھ کھلتے ہیں۔

اہل عقل اور وہ اہل عقل جن کے دیدۂ بصیرت روشن ہیں جب اس نظام فطرت پر نظر ڈالتے ہیں - جو نہایت استحکام کے ساتھ اپنی پیدائش کی علت غائی کا اظہار کر رہا ہے تو انہیں صاف معلوم ہوتا ہے اور بغیر کسی شک وشبہ کے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام سجاوٹیں - تمام رنگینیاں، تمام استحکامات اسی کے لئے ہیں جو فی الحقیقۃ خلیفۃ اللہ ہے جو انسان کامل ہے جو خلاصۂ آفرینش ہے جو علت غائی موجودات ہے - جو ظہور صفات کمالیہ الٰہیہ کا آئینہ ہے اور تمام اسمائے حسنیٰ الٰہیہ کا

[۵] مادہ کی اس صورت ...... کا نام جہاں تحلیل کی انتہا ہو جاتی ہے یعنی ابتدائے مرکبات

ظہور اسی سے ہو رہا ہے۔ وللہ الاسماء الحسنیٰ فدعوہ بہا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ
خدا کے لئے اسمار حسنیٰ ہیں تم انھیں اسمار کے وسیلے سے خدا کو پکارو۔ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو درباۂ
اسمار الٰہی الحاد سے کام لیتے ہیں۔ قال امیر المومنین علیہ السلام انا الاسماء الحسنیٰ۔ میں اسمار حسنیٰ
ہوں۔ یعنے کل اسمار الٰہی کا ظہور بحیثیت جمع میری ذات سے ہوتا ہے۔ اور معانی اسمار یہی بزرگوار ہیں
جابر بن عبد اللہ عن ابی جعفر علیہ السلام انہ قال یا جابر علیك بالبیان والمعانی
قال فقلت وما البیان والمعانی فقال علیہ السلام اما البیان فھو ان تعرف اللہ سبحانہ
لیس کمثلہ شی فتعبدہ ولا تشرك بہ شیئا واما المعانی فنحن معاینہ ونحن جنبہ ویدہ
ولسانہ وامرہ وحکمہ وکلمتہ وعلمہ وحقہ اذا شئنا شاء اللہ ویرید اللہ ما نریدہ و
نحن المثانی التی اعطی اللہ نبیا ونحن وجہ اللہ الذی یتقلب الارض بین اظہرکم فمن
عرفنا فامامہ الیقین ومن جھنا فامامہ سجین ولو شئنا خرقنا الارض وصعدنا السماء
وان الینا ایاب ھذا الخلق ثم ان علینا حسابھم۔

جابر بن عبد اللہ نے حضرت باقر علوم علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کی ہے۔ حضرت نے جابرؓ
سے فرمایا کہ اے جابرؓ تم بیان ومعانی کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ عرض کیا یا مولا بیان ومعنی سے کیا مراد
ہے فرمایا بیان یہ ہے کہ تو خداوند جل وعلا کو پہچانے کہ اس کے مثل کوئی شے نہیں۔ اور تو اسکی
عبادت کرے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائے لیکن معانی پس ہم اس کے معانی ہیں۔ ہم اسکی
جنب (پہلو) ہیں۔ ہم اس کے ہاتھ ہیں۔ ہم اس کی زبان ہیں۔ ہم اس کا امر ہیں۔ ہم اس کا حکم ہیں
ہم اس کا کلمہ ہیں۔ ہم اس کا علم ہیں۔ ہم اسکا حق ہیں۔ جب ہم چاہتے ہیں تو خدا چاہتا ہے۔ اور
جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو خدا ارادہ کرتا ہے۔ ہم وہ معانی ہیں جنھیں خدا نے اپنے نبی کو عطا کیا ہے
ہم وہ وجہ اللہ ہیں۔ جو تمہارے پس پشت زمین کو گردش دیتا رہتا ہے۔ پس جس نے ہماری معرفت
حاصل کرلی اس کے سامنے یقین ہے اور جس نے ہماری معرفت سے جہالت اختیار کی اس کے
سامنے سجین ہم چاہیں تو زمین کو شق کردیں۔ آسمان پر صعود کر جائیں۔ اس مخلوق کی بازگشت
ہماری طرف ہے اور ان کے محاسب ہمیں ہیں۔

جو انسان خلافت علیا اور ربوبیت عظمےٰ کو سمجھ لیتا ہے اس کے قلب کی آنکھیں کھل جاتی ہیں

دیدۂ بصیرت وا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کسی قدر جان جاتا ہے کہ ان کی شان کیا ہے۔ یہ وہ نور ہے کہ جب قلب میں آتا ہے تو وہم و وسواس پھر اس کے پاس نہیں آتے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ حقیقت معجزہ کیا ہے۔ معجزہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی نگاہ میں تصرف ولایت کی تصویر پھر جاتی ہے۔ وہ دلائل متکلمین سے مستغنی ہو جاتا ہے وہ بتا دیتا ہے کہ معراج کیونکر ہوئی۔ شق القمر کیا ہے؟ رجعت شمس کیسے ہو سکتی ہے اور جب تک انسان اس نقطہ سے الگ رہتا ہے۔ خیالات باطلہ اسے گھیرے رہتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے کہ اگر کسی نفس صافیہ میں اسکا فیض پہنچ جائے تو بس وہ عالم ہے یہی وہ نقطہ علمیہ ہے جس سے ہزاروں خطوط علمیہ نکلتے ہیں۔

العلم نقطۃ کثرھا الجاھلون۔ حقیقت علمیہ کا یہ ارشاد غالباً اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بائے بسم اللہ کا نقطہ یہی ہے۔ جو شخص اس راز تک پہنچ جاتا ہے۔ خود بخود اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ ایسے خلیفہ برحق سے کبھی زمین و آسمان خالی نہیں رہتے۔ اس لئے کہ ان کا قیام موقوف ہے معیت قیومیہ الٰہی پر۔ اور اس معیت قیومیہ کا تعلق مخلوقات سے نہیں ہو سکتا۔ مگر بوساطت وسیلہ پس ایسا وسیلہ۔ ایسا واسطہ ہر زمانہ میں ہونا چاہیئے۔ قیام اشیا اس کے وجود کی دلیل ہے۔ بلکہ یوں کہو اشیار کا وجود نہیں۔ مگر اس کے وجود کے ساتھ گویا وہی وجود اشیار ہے۔ پس عالم میں وجود اسی کا وجود ہے۔ باقی بالطبع اور بالعرض

توضیح لطیف یہ ہے کہ ذات واجب الوجود بمقام ہویت مطلقہ غیب الغیوب ہے نہ وہاں وہم کی رسائی ہے نہ عقل کی نہ علم کی نہ فہم کی اس لئے کہ علم نہیں ہے مگر نفی خلاف شے۔ اور مقام ہویت مطلقہ میں خلاف کہاں لا تتفکروا فی ذات اللہ۔ ذات خدا میں ہرگز فکر نہ کرو۔ یہ وہ مقام ہے جو مسکوت عنہ۔ منقطع الاشارات و منقطع الوجدان ہے۔ پس اس ذات واجب الوجود نے جب تجلی و ظہور چاہا تو اسباب کثرت متشخص ہو گئے۔ اور اس تجلی کی حقیقت اور نور الانوار فعلی و فاعلی و مفعولی وہی حقیقت محمدی و علوی ہے جو انجام میں مہدی آخر الزمانی کے نام سے موسوم ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔ اولنا محمد۔ آخرنا محمد۔ اوسطنا محمد۔ وکلنا محمد ؀

قول محمدی شنو۔ راہ محمدی برو
روئے محمدی ببیں تا برسی بہ منتہا
شاہ ولایتم علی۔ جام شہادتم علی
عین ہدایتم علی۔ راہنمائے انبیا

ناصرِ انبیا علیؑ ۔ حاصل اولیا علیؑ — واصلِ کبریا علیؑ تا نہ کنی تو ماجرا
نقطۂ او ہو علیؑ ۔ خازنِ لا و ہو علیؑ — در ہمہ شے ہو علیؑ ۔ زانکہ علیؑ است از خدا
شمس علیؑ است در دلم نور علیؑ است حاصلم — من تجلی چہ واصلم ۔ یافتہ ام سر خدا

جب اس نقطہ سے انسان واصل ہو جاتا ہے تو ہر گز وہ استعدادات عقلیہ جو فی الحقیقۃ ہو جس شیطانیہ ہوتے ہیں ۔ اس کے سدِ راہ نہیں ہوتے نہ بات بات پر خیالات کفر اس کے ذہن میں آتے ہیں اور نہ وہ قدم قدم پر چوکنا ہوتا ہے ۔ فی الحقیقت کفر و اسلام کی حقیقت کو وہی خوب سمجھتا ہے

واقعتاً ابھی ہم اور وہ ہم جو متمسک بدامان علیؑ مرتضے کہلاتے ہیں اس نقطہ سے بہت دور ہیں ایک محقق بصیر کا قول ہے ۔

فمعرفۃ العامۃ لعلیٍ انہ فارس الفرسان وقاتل الشجعان ومبید الاقران ومعرفۃ الخاصۃ لہ انہ افضل من فلان وفلان فلذلک اذا سمعوا اسرارہ انکروا واستکبروا وذھلوا وجھلوا وھم فی جھلھم غیر ملومین لانھم لو عرفوا ان محمدؐ ھو الوحد المطلق وان علیاً ھو العلی المطلق فلھم الولایۃ علی الکل وسبق علی الکل والمتصرف فی الکل لانھما العلۃ فی وجود الکل فلھما السیادۃ علی الکل لکنھما خاصۃ الہ الکل وعبدی الہ الکل ومختاری معبود الکل سبحان الہ الکل ورب الکل وخالق الکل ومفضل محمدؐ وعلیؑ علی الکل والمستعبد بولایتھم وطاعتھم الکل فمن عرف من مراتب الابداع والاختراع ھذا القدر وتدبرہ عرف مقام آلِ محمدؐ صلوات اللہ علیھم ۔ عوام کے نزدیک علیؑ کی معرفت یہ ہے کہ آپ شہسواروں کے شہسوار تھے اور بڑے بڑے شجاعوں کے قتل کرنے والے تھے ۔ اپنے اقران وامثل کے ہلاک کرنیوالے تھے اور بس ۔ اب رہے اہل خصوصیت ان کے نزدیک علیؑ کی معرفت اور بہت بڑی معرفت یہ ہے کہ آپ فلاں وفلاں سے افضل تھے ۔ یہی سبب ہے کہ وہ جب اسرار علوی کو سنتے ہیں تو اس سے انکار کرتے ہین ۔ استکبار کرتے ہیں ۔ ذہول بنتے ہیں ۔ جہل سے کام لیتے ہیں اور اس جہل کو دیکھکر انھیں کچھ ملامت ہی نہیں کی جاسکتی ۔ کاش یہ جانتے کہ بیشک محمدؐ وہی واحد

مطلق ہے اور علیؑ وہی علی مطلق ہے ۔ پس ان دونوں کے لئے ولایت کلّیہ ہے ۔ یہ سابق علی الکل ہیں ۔ انہیں تصرف فی الکل حاصل ہے ۔ اس لئے کہ یہ کل وجود کی علت ہیں ۔ پس انہیں سیادت علے الکل حاصل ہے ۔ لیکن یہ اس کے مخصوص و مقرب ہیں جو الٰہ الکل ہے اس کے بندے ہیں جو سب کا پروردگار ہے ۔ معبود کل کے اختیار کردہ ہیں ۔ پاک ہے وہ پروردگار جو سب کا مرجع ہے ۔ سب کا پرورش کنندہ ہے سب کا خالق ہے جسنے محمدؐ و علیؑ کو کل مخلوق پر فضیلت بخشی کل مخلوقات سے ان کی ولایت و اطاعت کے ذریعہ سے عبادت چاہی ۔ پس جو شخص مراتب ابداع و اختراع میں سے اسی قدر جان لے اور تدبر سے کام لے تو وہ مقام آلِ محمدؐ کا عارف ہو جائے گا ۔ و الّا فلا ۔

اسی رمز کو نہ جاننے سے امام زمانہ کے وجود میں شبہات عارض ہوتے ہیں ۔ اور انھیں اسرار تک رسائی حاصل نہ کرنے سے مسئلۂ رجعت میں شکوک پیدا ہوتے ہیں ۔ انھیں حقائق تک نہ پہونچنے سے طول عمر امام زمانہ کی نسبت انسانی عقول اوہام شیطانیہ کا شکار ہو رہی ہیں اگر مقامات محمدؐ و آل محمدؐ کو مسلمان سمجھ لیتے تو پھر یہ طوفان بے تمیزی اسلام میں نظر نہ آتا ۔ اور یہ مقام نہیں حاصل ہوتا اگر نور ایمان کے ساتھ ۔ قلب بصیر کے ساتھ ۔ قرآن میں تدبر کے ساتھ ۔ خضوع و خشوع کے ساتھ ۔ ریاضات نفسانیہ شرعیہ کے ساتھ ۔ احادیث معصومین سے مانوس ہونے کے ساتھ ۔ بغیر انس باحادیث معصومین کے اس کی فہم مشکل ہے ۔

بڑی مشکل جو آجکل نازل ہو رہی ہے وہ یہی ہے کہ احادیث سے انس اٹھ گیا ۔ اور وہ گوہر بے بہا جو ان ذخائر میں چھپے ہوئے ہیں ۔ ان سے عقلیں بہت دور جا پڑیں ۔ نظام العلماء تبریزی مسئلہ جبر و تفویض کی شرح از روئے احادیث کرتے ہوئے جو موہم بجبر ہیں ، بیان فرماتے ہیں اور ہم اس عبارت فارسی کا ترجمہ کئے دیتے ہیں " تحصیل علوم جو اس زمانہ میں جاری ہے اس کے مقدمات ہیں علم ۔ لغت و صرف و نحو منطق و حساب و معانی و بدیع و بیان ۔ اور اس کے نتائج منحصر ہیں علم فقہ و اصول فقہ ہیں ۔ اس زمانہ کے طلباء کی ابتدائے تحصیل علم صرف میر سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا شرح کبیر اور قوانین پر ہو جاتی ہے ۔ اگرچہ یہ تمام علوم حق ہیں صحیح ہیں ۔ لازم التحصیل ہیں ۔ ضرور انھیں تحصیل کرنا چاہئے ۔ سمجھنا چاہئے لیکن ان میں سے ہر ایک کا

موضوع جدا ہے - اور اس کی غایت جدا - ان کو مسئلہ جبر و تفویض سے کیا تعلق - واضح ہو کہ کہ یہ مطالب (جو ہم نے اس رسالہ میں بیان کئے) نہ صرف میر میں ہیں نہ تصریف میں نہ عوامل جرجانی میں نہ انموذج زمخشری میں نہ شرح سیوطی میں نہ جامی میں نہ مطول میں نہ مختصر سعد تفتازانی میں نہ معالم و قوانین میں نہ شرائع و شرح لمعہ میں نہ شرح صغیر میں نہ شرح کبیر میں بلکہ وہ عالم جو مقدمات میں سیبویہ و اخفش کا استاد ہو. اور قوانین اصول و شرایع فقہ میں مسلم کل - وحید عصر و فرید دہر ہو. ان مطالب کی تحقیق کے وقت نظر بصیرت میں اس میں اور ایک عامی میں چنداں تفاوت نہیں - ان مطالب میں اگر وہ دخل دے تو ایسا ہی ہے جیسا کوئی لوہار زرگری میں دخل دے یا معالج حیوانات طبیب انسانی کے معالجہ میں مداخلت کرے - ہاں ان مطالب میں وہی شخص دخل دے سکتا ہے جس نے ان مسائل میں بھی قوت اجتہادی بہم پہنچائی ہو - روایات و اخبار میں جو اس کے متعلق ہیں کافی غور و فکر کی ہو - اور علاوہ علوم مرسومہ کے وہ راہ جو ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم نے ان مطالب کے لئے قرار دی ہے - اس میں بھی تعمق و تفکر سے کام لیا ہو والا محض تحصیل مقدمات و تحصیل فقہ و اصول یہ مسائل مشکلہ حل نہیں ہوتے ؎

بیچارہ مدعی کند اظہار علم و فضل	نشناختہ قبول ز رجید از ردی

احادیث و آیات کی تفسیر اپنی رائے سے نہیں ہو سکتی ؎

بارہا گفتہ ام و بار دگر میگویم	کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخود می پویم
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند	آنچہ استاد ازل گفت ہمہ مے گویم

اس رسالہ مختصرہ کے مطالب حوصلۂ فہم فقیر سے باہر ہیں - اور استنباط حقیر کے اندازے سے برتر پس ہاں پر اعتماد کر - توجہ سے کام لے - اس کی قدر کو سمجھ اسے میرا قول تصور نہ کر - میں کیا اور میرا قول کیا ؎

بلبل از فیض گل آموخت سخن ورنہ نبود	ایں ہمہ قول و غزل تعبیہ در منقارش

میرے عزیز! یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ کتب حکمیہ و رسائل کلامیہ سے میں کلیۃً بے خبر ہوں اور تحقیقات حکمیہ و تدقیقات فلسفیہ کے رموز مجھے معلوم نہیں ہیں ہرگز نہیں - بلکہ کبھی میں نے مطالب شفا میں شفا کی تلاش کی - کبھی ہدایہ سے ہدایت کا طالب ہوا - لیکن گوہر مراد نہ ملا سوائے زیادتی شبہات

وکثرت شقوق ایرادات کے اور کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے نفس کو اطمینان ہوا اور اضطراب شکوک وشبہات سے آرام ملے ؎

لقد طفت فی تلك المعابد کلھا — وصیرت طرفی بین تلك المعالم

فلم ار الا واضعاً کف حائر — علی ذقن اوقارعاً سن نادم

میں نے ان تمام عبادت گاہوں کا طواف کیا۔ اور ایک ایک نشان پر اپنی آنکھیں پیوست کر دیں۔ مگر میں نے جس کو دیکھا یا تو ٹھوڑی پر حیرت زدہ کی طرح ہاتھ رکھے ہوئے پایا۔ یا نادموں کی طرح دانت پیستے دیکھا ؎

بقیاسات عقل یونانی — نرسد کس بذوق ایمانی

گر بمنطق کسے ولی بودے — شیخ سنت ابو علی بودے

وکم قلت للقوم انتم علی — شفا حفرۃ من کتاب الشفا

فلما استھانوا بتوبیخنا — فزعنا الی اللہ حتے کفے

فماتوا علی دین رسطالس — وعشنا علی ملۃ المصطفے

میں نے بہت لوگوں سے کہا کہ بھائی اس کتاب شفا کی بدولت تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے ہو۔ مگر جب وہ زجر و توبیخ کرنے لگے اہانت میں کوشاں ہوئے تو ہم نے خدا کی پناہ ڈھونڈلی۔ وہی ہمارے لئے کافی ہوگیا۔ اب یہ لوگ تو ارسطو کے دین پر مرگئے۔ اور ہم نے الحمد للہ ملت مصطفوی پر زندگی بسر کی ؎

فکر بہبود خود اے دل زدر دیگر کن — درد عاشق نہ شود بہ بمداوائے حکیم

دام سخت است مگر یار شود فضل خدا

اسی اثنا میں توفیق الٰہی شامل حال ہوئی۔ ایک بزرگ کی صحبت میسر آئی۔ اس زمانہ میں تحصیل حکمت الٰہی کا شوق دل پر غالب تھا لہٰذا کتب حکمت کا ذکر نکلا اور بعض حکمار کا نہایت تعظیم و تکریم سے میں نے نام لیا۔ اس بزرگ نے پوچھا کہ حکمت الٰہی کا موضوع کیا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا۔ وہ فرمانے لگے کہ موضوع علم اسے کہتے ہیں کہ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کیجاتی ہے۔ پس خدا کے عوارض ذاتیہ کیا ہیں۔ جن کی بنا پر اسے موضوع قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دوسرے مسائل کا ذکر نکلا اور گفتگو طویل ہوئی۔ آخر اس بزرگ نے شیخ بہائی علیہ الرحمہ کے چند شعر پڑھے جنہوں نے عجب تاثیر دکھائی ؎

چند چند از حکمت یونانیاں — حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

دل منور کن بانوار جلی — چند باشی کاسہ لیس بوعلی

پس اس کے بعد میں ایک مدت تک مطالعۂ احادیث و کتب اخبار میں مصروف رہا۔ متون احادیث کا تتبع کیا۔ ان کے معانی میں تعمق اور تفکر سے کام لیا۔ اس اثنا میں افواہ رجال اور کلمات ارباب کمال میں بھی بہت سے رموز دیکھے۔ اور سنے تا اینکہ بحمداللہ نفس کو فی الجملہ آرام ملا اور قلب میں ایک قسم کا سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ حل شبہاتِ باطلہ اور کشف مطالب حقہ میں جملہ ماسوی اللہ سے میں نے قطع نظر کی مجموعۂ اغیار کو الگ پھینکا اور دامن احادیث و اخبار ائمہ علیہم السلام سے متمسک اور انہیں کے بیانات سے متوسل ہو گیا ؎

مرا ز منصب تحقیق انبیا است نصیب

چہ آب جویم در جوئے خشک یونانی

بحکم اِنَّ علینا بیانہ کونسا مطلب ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے بیان نہیں فرمایا۔ اور کونسی تحقیق ہے کہ جس سے (معاذ اللہ) انھوں نے غفلت فرمائی ہے الخ

انشاء اللہ اگر توفیق شامل حال ہے تو اس مکمل رسالہ کا ترجمہ سلیس اردو میں ہدیۂ ارباب نظر کیا جائے گا۔ غرض اس ایراد کلام سے جو ہے وہ ظاہر ہے۔ وہ مطالب جن کو ہم بیان کرتے چلے آرہے ہیں جب تک انسان کے دل میں احادیث طاہرین کی محبت و وقعت پیدا نہ ہوگی۔ ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور یہی شئے آجکل مفقود ہے اور اس کی طرف اشارہ کرنے والا مطعون۔ یہ عجیب تماشہ ہے۔ خیر۔

ان الفاظ کو دیکھنے کے بعد کسی عاقل بصیر کو شبہ نہیں رہ سکتا۔ اس کا قلب گواہی دیگا۔ کہ امام جو خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کے لئے اپنے ماموین پر تقدم وجودی یقیناً ہونا چاہئے۔ اور ان صفاتِ کمالیہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ جن کا ہم پہلے ذکر کیا ہے۔ جب تک یہ صفات موجود نہ ہوں امامت کا تحقق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مشہور حدیث ہے اور اہل اسلام کے ہاں مسلم کہ من مات ولم یعرف

امام زمانہ مات میتۃً جاهلیۃ۔ جو شخص کہ مرگیا اور اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرگیا۔

اہل عقل کو سوچنا چاہئے کہ یہ تہدید جس ہستی کی معرفت کے لئے ہے۔ اس کی شان کیا ہونی چاہئے ارباب کمال کہتے ہیں کہ اس امام سے مراد قرآن ہے مگر ہم سخت متردد ہیں اس تاویل سے۔

واضح ہو کہ یہ ایک قاعدہ عقلیہ ہے کہ التبادر علامۃ الحقیقۃ کسی بات کے سنتے ہی ذہن جس شئے کی طرف دوڑ جائے وہی حقیقت ہے لہٰذا اس حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کی طرف رخ کرانا جبتک قرینۂ واضحہ موجود نہ ہو اور معنیٔ حقیقی متعذر نہ ہوں اس وقت تک معانی مجاز پر جانا کبھی اہل عقل کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ "امام" کے سننے سے ہرگز ذہن قرآن کی طرف نہیں جاتا۔ بلکہ ایک ذی روح ہستی کی طرف کھنچتا ہے۔ پھر وہ کونسا قرینہ قویہ ہے جس کی بناء پر ہم اس کے تاویلی معنی کی طرف جائیں۔ لہٰذا بنائے تاویل غلط ہے۔ اس سے بھی ہم قطع نظر کرتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ حدیث کا رخ مسلمانوں کی طرف ہے نہ کہ کفار کی جانب۔ کیونکہ کفار نے ابھی خدا ورسول کو ہی تسلیم نہیں کیا۔ ان کے سامنے مسئلہ امامت کو پیش کرنا خواہ اس سے مراد قرآن ہو یا کچھ اور۔ ایک عاقل کا کام نہیں۔ اور اگر ہم اس میں عمومیت بھی لے لیں۔ اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ مسلم وکافر سب ہی اس کے مخاطب ہیں تو بھی ہمارا مقصد ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بہر طور مسلمان اس کے مخاطب ضرور ہیں اور اسی شق سے ہمیں بحث ہے۔ اب مسلمان جب کہ اس کے مخاطب قرار پائے اور ان پر معرفت امام کا بار ڈالا گیا۔ اور امام سے مراد قرآن ہے۔ تو اندریں صورت یا تو معرفت عام مراد ہے یا معرفت خاص۔ گو لفظ معرفت خود خصوصیت پر دلالت کر رہا ہے۔ لیکن تفہیم کے لئے ہم نے اسکی دو قسمیں قرار دیدیں۔ اگر اس سے مراد معرفت عام ہے۔ یعنی قرآن کو منزل من اللہ سمجھکر اسپر ایمان لانا تو یہ تو ایک ایسی بات ہے کہ بغیر اس پر کاربند ہوئے بحیثیت مسلم اس سے خطاب ہی نہیں ہو سکتا۔ بحیثیت مسلم تو اس سے تو اسی وقت خطاب ہوا ہے جبکہ وہ قرآن کو منزل من اللہ سمجھ چکا ہے تو جب وہ قرآن کو منزل من اللہ مان چکا ہے اور پھر اسپر معرفت قرآن کا بار ڈالا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ معرفت عام نہیں ہے بلکہ معرفت خاص ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی معرفت خاص کیا ہے عقل ہمیں ہدایت کرتی ہے کہ ہو جو طریقہ جو معرفت قرآن کا ہے وہ ہرگز معرفت ہی نہیں۔ اس سے معرفت کو کیا تعلق مفسر

کے اقوال مختلفہ کا نام معرفت قرآن نہیں ہاں معرفت قرآن کی یہ شکل ہے کہ ہر زمانے میں اُسے ایسے وجود سے لیا جائے جس کے اقوال و ارشادات نص قطعی ہوں اور ارشادات قطعی نہیں ہو سکتے مگر معصوم کے عقلاً۔ لہذا ہر زمانہ میں معصوم کے ارشادات سے قرآن کو لینا چاہیئے اور یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک معصوم کی معرفت نہ ہو لہذا ضروری ہے کہ معصوم کی معرفت حاصل کیجائے۔ اسی معصوم کا دوسرا نام امام ہے۔ اب ترتیب مقدمات دلیل اس طرح سمجھیے۔

قرآن کی معرفت خاصہ واجب ہے۔ اور یہ معرفت خاصہ موقوف ہے معرفت معصوم پر فلہذا معرفت معصوم واجب ہے۔ دوسرے طریق سے یوں سمجھو۔ کہ عدم معرفت معصوم عدم معرفت قرآن ہے اور عدم معرفت قرآن موت جاہلیت ہے۔ فلہذا عدم معرفت موت جاہلیت ہے۔ اب یہ کہنا اور کہکر استہزا کرنا کہ یہ خواب و خیال ہیں تو ایسے خیال اور استہزا سے اصل مطلب پر حرف نہیں آسکتا۔ اہل عقل کا قول ہے کلما قرع سمعك من العجائب فذره فی بقعة الامکان مالم یمنعه قائم البرهان۔ جب تیرے کانوں میں کوئی عجیب خبر پہنچے تو جب تک اس کے امتناع پر کوئی برہان عقلی قائم نہ ہو تو اسے ممکن سمجھنا (ہرگز انکار نہ کرنا)

اب ہم نہیں سمجھتے کہ عدم وجود معصوم پر کونسی دلیل عقلی قایم ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص اپنی فطرت سلیمہ کی طرف عود کرے تو اسے صاف نظر آجائے گا کہ وجود معصوم صرف ممکن ہی نہیں بلکہ ہماری حالتوں پر نظر کرتے ہوئے واجب ہے۔

دیکھو ایسے شخصوں سے جن کے دماغوں پر کسی فریق کی طرفداری کا رنگ نہ چڑھا ہو۔ جاکر سوال کرو۔ کہ برادرانِ من تمہیں ایک خبر پہنچتی ہے ایسے شخص سے جسکی خبر رسانی میں کذب کا امکان ہے اور ایک خبر آتی ہے ایسے شخص کی معرفت جسمیں کذب کا امکان نہیں پس اندریں حالت تم کونسے پہلو کو اختیار کروگے آیا شخص ثانی تمہاری عقلوں کے نزدیک معتمد ہوگا یا شخص اول ہم تو نہیں خیال کرسکتے کہ کوئی دنیا کا عقلمند شخص اول کو شخص ثانی پر ترجیح دیگا الا من اقرله بالحیوانیة المحصنة بل هو اضل سبیلا اس مقام سے ہم قطعی نتیجہ نکالتے ہیں کہ فطرت سلیمہ ضرور رجوع کرتی ہے ایسے وجود کیطرف جس کے اقوال و ارشادات میں کذب کا امکان نہ ہو۔ یعنے یہ کہ وہ معصوم ہو۔ اب ہم سوال

کرتے ہیں کہ یہ رجوع فطرت آیا خیر ہے یا شر۔ کوئی عقلمند شق ثانی کو قبول نہ کرے گا۔ الامن لاشعور لہ پس لامحالا اسے خیر کہنا پڑیگا۔ پس جب اس کی خیریت مسلم ہوچکی۔ اب ہم کہیں گے کہ فطرت سلیمہ کو خیر سے محروم رکھنا خالق فطرت سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے کہ وہ حکیم ہے اور یہ حرمان یقیناً خلاف حکمت ہے۔

یہ ایک سیدھا سادھا فطری اصول ہے جو وجود معصوم کی ضرورت کو تسلیم کر رہا ہے۔ فی الحقیقت یہی وہ اصول فطری ہے جسپر نظر نہ کرنے سے بعض خوش مذاقوں کو دعویٰ نبوت کا حوصلہ ہوا۔ اگر قانونِ عصمت نگاہ میں ہوتا تو ہرگز کسی شخص کو ایسی جرأت نہ ہوتی اور نہ کوئی شخص اس کے دعووں پر لبیک کہتا اور مسلمانوں میں یہ مناقشات نظر نہ آتے۔

تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ خالق فطرت نے فطرت کی اس خواہش کے پورا ہونے کا بند و بست نہیں کیا جو خیر ہی خیر ہے۔ درآنحالیکہ بدن جو روح کی بہ نسبت یقیناً اخس ہے۔ اس کی تربیت کے سامان اس کثرت سے پیدا کیے ہیں جنکا احصا نہیں ہو سکتا۔ پھر کیونکر عقل قبول کر سکتی ہے کہ اخس کی ضروریات مہیا کرنے کے لئے یہ سامان اور کیسے سامان ع

ابر و باد و مہ و خورشید فلک درکارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور روح جس پر انسان کی انسانیت منحصر ہے۔ اس کی ضروریات فطریہ سے یوں چشم پوشی کس قسم کی عقل ہے کہ خالق عالم کی حکمت سے انکار کرتی ہے۔ کیا یہ مشاہدہ اور لامثال مشاہدہ وجود معصوم کی ضرورت کو واجب نہیں سمجھ سکتا۔ ضرور یہی حکم لگاتا ہے۔ اسی طرف اشارہ کرتا ہے قول معصوم لولا الامام لساخت الارض باھلھا۔

اگر وجود امام نہ ہو تو زمین مع اہل زمین کے فنا ہو جائے۔ کیونکہ فی الحقیقت مقصود خداوند عالم وہی ہوتا ہے اور رہا باقی جتنے وجود ہیں وہ سب بالتبع اور بالعرض۔

تاریخ شرائع شاہد ہے کہ کوئی زمانہ وجود معصوم سے خالی نہیں گزرا وہ زمانہ جسے زمانہ فترت کہتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زمین حجت خدا سے خالی تھی بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ میں کوئی نبی مقام بعثت میں نہیں آیا۔ ورنہ حجت خدا ضرور موجود رہی ہے۔

اور یہی وہ حجت خدا ہے۔ جو رسول سابق کی شریعت کی حامل ہوتی ہے۔ جب یہ رنگ ہے اور فطری اصول اس کی شہادت دے رہے ہیں تو پھر کونسی عقل دعوےٰ کرے گی کہ خاتم الانبیاء کے بعد دنیا وجود معصوم سے مستغنی ہوگئی۔

اس میں شک نہیں کہ اوہام وساوس شیطانیہ کے حجاب جب قلب پر مسلط ہوتے ہیں تو انسان اس حجت خدا۔ معصوم اور امام زمانہ سے غفلت اختیار کرتا ہے۔ اسی لئے ان حجابوں کو دور کرکے معرفت امام زمانہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عدم معرفت امام کو موت جاہلیت قرار دیا ہے۔

واضح ہو کہ حدیث مذکورہ بالا میں عرفان کی طرف اشارہ ہے نہ کہ علم کی جانب۔ ان دونوں لفظوں میں جو فرق ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ علم کے معنے ہیں جاننا۔ اور عرفان و معرفت کے معنی پہچاننا۔ معرفت کے لئے تو علم کا ہونا ضرور ہے۔ مگر علم کے لئے معرفت کا ہونا لازم نہیں۔ میں زید کو جانتا ہوں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میں اسے پہچانتا بھی ہوں اور یہ معرفت ابتداءً حاصل نہیں ہو سکتی مگر آثار و علامات و صفات سے۔ لہذا ضرور ہے کہ امام کے لئے کچھ ایسے صفات مختصہ ہوں جو اسے عام انسانوں سے ممتاز کردیں۔ پس جب تک ان صفات مختصہ کو جو یقیناً عقلی ہونگے اور فطرت سلیمہ جن کی طرف اشارہ کرے گی۔ انسان قبول نہ کرے وہ کبھی عارف امام نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں صفات کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ وہی التقدم والعلم والقدرت والارادہ یہ صفات اس کے لئے بمنزلہ اصول کمالات ہیں۔ اور عصمت اور دوسرے آثار اس کے فروع اور یہ عصمت کیا ہے؟ فی الحقیقت اخلاق کا وہ نقطہ عدل ہے جس پر امام کھڑا ہوتا ہے اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے میل نہیں کرتا۔ چنانچہ انک لعلی خلق عظیم اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ان صفات کو جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ جب انسان تسلیم کرلیتا ہے تو پھر اس کے دل پر شکوک و اوہام کی یورش نہیں ہوتی۔ اور وہ کبھی غیبت امام پر ہرگز اعتراض نہیں کرسکتا۔ مسئلہ غیبت پر عقول غیر مرتبہ بہت مضطرب ہوتی ہیں اور انھیں ہونا بھی چاہئے لیکن اگر یہ تربیت یافتہ ہوتیں تو کبھی انہیں اضطراب لاحق نہ ہوتا وہ فوراً اس نقطہ پر پہنچتیں کہ انبیا علیہم السلام کی دعوت کا اصل اصول ہی مسئلہ غیبت ہے۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام نے لوگوں کو ایسے خدا کی طرف بلایا جو لطیف و خبیر ہے۔

اور وہ ہرگز ان مادی آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس دعوت کو سنکر وہ عقلیں جو خدا کو مجسم تجویز کئے بیٹھی تھیں اور عقیدہ تجسم بڑھتے بڑھتے پتھروں۔ دھات کے ٹکڑوں اور لکڑی کے پارچوں کی شکل میں خدا کو محدود کر رہا تھا۔ ان پر نہایت گراں گذرا تھا یہ امر کہ اس خدا کو کیونکر جان لیا جائے۔ جو نظر ہی نہیں آتا۔ اس خیال نے انھیں اسی حالت میں مبتلا رکھا۔ جبپر کہ تقلید آبائی نے جما رکھا تھا۔

انھیں مقلدین اسلاف میں سے کچھ سلیم الفطرۃ لوگ ایسے نکلے جنھوں نے انبیا کی دعوت کو قبول کیا۔ جو مسلم و مومن کہلائے۔ ان لوگوں کے امتحانات ہوئے۔ ان کی آزمائش ہوئی مگر امت محمدیہ کا امتحان خصوصیت کے ساتھ اسی مسئلۂ غیبت میں لیا گیا۔ خاتم الانبیاء نے اپنے ایام تبلیغ میں صاف صاف اس غیبت کا اعلان کیا جسپر ایمان لانا ہر شخص کا فرض تھا۔ خواہ وہ زمانۂ غیبت سے پہلے ہو یا زمانۂ غیبت میں موجود ہو۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا تھا۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو اسے نگاہ شک سے دیکھتے تھے۔ اور کچھ ایسی جماعت تھی جو اس پر یقین رکھتی تھی۔ چنانچہ گروہ اول کے خیالات کی تابع وہ جماعت ہے جو منکر غیبت ہے اور فریق ثانی کی یادگار وہ لوگ ہیں جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر رہے ہیں واضح ہو کہ ایمان بالغیب کی تکمیل ہو نہیں سکتی جب تک مظہر صفات الٰہیہ اور خلیفۃ اللہ کی غیبت پر ایمان نہ لایا جائے۔ ورنہ انسان کو یقیناً مخاطب بننا پڑے گا۔ اس تہدید شدید کا۔

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔

کیا تم کتاب کے ایک جزو پر ایمان لانا اور دوسرے جزو کا انکار کرنا چاہتے ہو۔ عجیب تماشہ ہے جو شخص یہ تسلیم کر چکا ہو کہ ایصال فیض کے لئے مفیض کا آنکھوں کے سامنے ہونا ضروری نہیں تو وہ کبھی ایسی مہمل بات نہ کہیگا کہ وجود امام غائب سے کیا فائدہ۔

اہل عقل جانتے ہیں کہ تکلیف معرفت ہم کو دیگئی ہے کہ ہم امام کو پہچانیں امام کی یہ تکلیف نہیں ہے کہ وہ ہر مکلف کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرے اور ہماری تکلیف کی یہ حالت ہے کہ جب ہم نے امام کو ان اوصاف کے ساتھ مشخص کر لیا تو ہم اس تکلیف سے بری الذمہ ہوں گے۔ ہم پر ہرگز یہ تکلیف نہیں ڈالی گئی۔ کہ اس کی خدمت میں حاضر بھی ہوں۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ

کبھی بھی اس قسم کی تکلیف نہیں دیگئی۔ اگر یہ تکلیف واقعی ہوتی۔ تو یقیناً تکلیف مالایطاق ہوتی نہ صرف غیبت امام کے زمانہ میں بلکہ اس زمانہ میں بھی جب کہ امام کا وجود آنکھوں کے سامنے موجود تھا کیونکہ نظر حقیقت میں امام سے جو تعلقات ہوتے ہیں وہ روحانی تعلقات ہوتے ہیں اور کمال تعلقات یہ ہے کہ غیب وحضور یکساں ہو۔

اویس وہ اویس جن کی جلالت قدر اسلامیوں میں مسلم ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میں یمن کی طرف سے بوئے رحمٰن سونگھتا ہوں۔ رسول کے زمانہ میں موجود تھے مگر ایک دن بھی شرف حضوری سے مشرف نہ ہوئے۔ مگر تعلقات روحانی اتنے مضبوط تھے کہ اُدہر خبر پہنچی کہ جنگ احد میں دندان مبارک رسول پر صدمہ پہنچا اودہر سنتے ہی اویس نے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔

اب رہا مسائل واحکام کا مسئلہ کہ امام جب ظاہر ہو تو اس سے مسائل واحکام پوچھ سکتے ہیں جن پر عمل کرنے سے نجات کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مسائل واحکام معلوم کرنیکے لئے بھی ہر شخص کو حضوری کی تکلیف نہیں دی۔ کیا ائمہ کے زمانہ میں ہر شخص امام سے ہی جاکر حکم پوچھتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ائمہ کی طرف سے احکام و مسائل بیان کرنے کے مجاز تھے۔ آج بھی ہیں۔ یہ سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا۔ اور لطف الٰہی کا مقتضی ہے کہ یہ سلسلہ تاظہور امام زمانہ برابر قائم رہے۔

غرض اس قسم کے عذرات کئے ہیں جو صحیح عذر نہیں کہے جا سکتے۔ یہ تو ایسے عذر ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو خود اس کا نفس ان عذرات کو قطع کر سکتا ہے۔

رہا طول عمر کا اعتراض۔ معلوم نہیں اس اعتراض کا ماخذ کیا ہے آیا یہ محال عقلی ہے یا محالِ عادی۔ نہ تو ہم اسے محال عقلی کہہ سکتے ہیں۔ اسلئے کہ محال عقلی وہ ہے جس کا تصور بھی محال ہو۔ جیسے کہ آگ کا ایک ہی حیثیت میں ایک ہی وضع میں ایک ہی جہت سے گرم بھی ہونا اور ٹھنڈا بھی۔ عقل ہرگز اس کا تصور نہیں کر سکتی۔ لہٰذا طول عمر کسی انسان کے واسطے ہرگز محال عقلی نہیں مگر ہاں جو محال کو محال کا جہتہ سمجھے اس سے بحث نہیں ہے۔ رہا محال عادی یعنے عقلی طور سے کوئی شے محال نہ ہو۔ مگر عادۃً محال ہو تو یہ طول عمر عادتاً بھی محال نہیں ہے۔

تاریخ شرائع بتا رہی ہے کہ بڑی بڑی عمر کے انسان گذرے ہیں جو اسباب اس زمانہ میں طول عمر کے موجود تھے وہ آج کارخانۂ قدرت سے فنا نہیں ہو گئے۔ پھر جب کہ اس مسئلہ کو نہ محال عادی سے تعلق ہے نہ محال عقلی سے تو مواد اعتراض کس اصول کی بنار پر ہے۔ اگر کوئی اصول اور کوئی برہان صحیح اس کے خلاف پر قایم ہے تو اسپر غور ہو سکتا ہے اور ضرور اس پر توجہ کی جائے گی۔ لیکن ایک صاحب علم تو حیران رہ جاتا ہے اسوقت جب کہ ایسے اعتراضات اس کے سامنے پیش ہوں جن کا ماخذ فضائے علمیہ سے خارج ہو۔

ہم جہاں تک دیکھتے ہیں اس مسئلہ میں سوائے استہزا و لایعنی توجیہات کے اور کسی امر پر اعتراض کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ لیکن اس استہزار کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ اللہ یستہزئ بہم۔ ایک صاحب علم یقیناً اس مسخراپن کے جواب سے معذور ہو گا اور اذا مروا باللغو مروا کراما پڑھتا ہوا گذر جائیگا۔

تحریر گذشتہ میں اکثر دلائل وجود امام پر آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے۔ آپ کے ذہن نے ضرور انہیں محفوظ رکھا ہو گا۔ صفات امام بھی مختصراً آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ وہ خصول ممیزہ بتا دیگئی ہیں۔ جن سے امام کا تشخص ہو سکے اور امتیاز ہو جائے کہ انسانوں میں امام کا کیا درجہ ہے۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ امام فی الحقیقۃ خلیفۃ اللہ ہوتا ہے جس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ خلافت حاصل ہو نہیں سکتی مگر بعطیہ خداوندی۔ جس کا اعلان امام سابق کی زبان سے ہو جاتا ہے۔ پس یہ خلافت و امامت محض منصوص من اللہ ہے کسی غیر کا قطعاً اس میں دخل نہیں۔ نہ اس کو اجماع سے تعلق ہے نہ شورلے سے نہ قہر و غلبہ سے۔ نہ اسے کوئی چھین سکتا ہے نہ لے سکتا ہے۔ بندگان خدا اگر اس خلیفۃ اللہ کے پاس آئیں گے تو سعادت ابدی حاصل کرینگے۔ منہ پھرائیں گے تو اپنی ہی بدبختی کا اعلان کریں گے امام یا خلیفۃ اللہ کا قطعاً کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی لئے خلیفۂ برحق امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے خطبۂ شقشقیہ میں فرمایا کہ تمہاری یہ خلافت جسے تم خلافت سمجھ رہے ہو میرے نزدیک بکری کی ناک سے بہنے والی رطوبت سے بھی زیادہ حقیر ہے آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہو گا کہ وجود امام ہی وجہ قیام دنیا ہے۔ وہ خواہ ظاہر ہو یا غائب۔ لیکن فیض ربوبیت

اس کی ذات سے پہنچ رہا ہے اور یہ غیبت فی الحقیقۃ ایک امتحان سخت ہے جس میں امت محمّدی کو مبتلا کیا گیا ہے اور اس امتحان میں پورے اترنے والے لوگوں کی تعداد یقیناً بہت کم ہو فی الحقیقت وجود امام ایک صراط مستقیم ہے۔ اس کی پیروی اس فضا میں رہ کر جس میں ہوا و ہوس کی ہوائیں چل رہی ہیں مشکل ہے اور سخت مشکل یہی راہ ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ شیطان نے اسی راہ کو مسلمانوں پر روکا۔ چنانچہ تمام اختلافات اسلامیہ کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے۔ یہ ملعون قسم کھا کر آیا تھا۔ کہ ضرور میں تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔ قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطك المستقیم ثم لآتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شاکرین۔ اس ملعون نے کہا کہ اس سبب سے کہ تو نے مجھے اغوا کیا۔[1] تو میں البتہ ضرور ان لوگوں کے لئے تیرے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا۔ پھر میں آگے پیچھے دائیں بائیں غرض ہر چہار طرف سے ان پر حملہ کروں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہیں پائیگا۔

قبل اس کے کہ دوسرا مطلب شروع کیا جائے۔ ضمناً اس آیت کا ذکر آگیا ہے۔ اس کے متعلق بھی غور فرمالیجئے۔ دعوے اس ملعون کا یہ ہے کہ میں اول بنی آدم کو صراط مستقیم کیطرف جانے سے روکوں گا۔ اور جب اس مقصد میں کامیابی ہو جائے گی تو پھر میں چاروں طرف سے ان پر حملہ کرونگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنیوالا نہ پائیگا۔

اس مفہوم کو اور واضح طور پر خیال فرمائیے۔ (۱) میرا پہلا کام یہ ہوگا کہ لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف جانے سے روکونگا۔

(۲) جب وہ رک جائیں گے اور میرا داؤں چل جائیگا تو میں ان پر چاروں طرف سے حملہ کرونگا اس حملے کی تشریح حسب ارشاد معصوم یہ ہے کہ سامنے سے جو حملہ ہوگا۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ امر آخرت ان کی نظر میں بے وقعت ہو جائے گا۔ پس پشت کے حملے سے یہ مراد ہے کہ میں انہیں مال جمع کرنے کا حکم دوں گا۔ اور پھر بخل کو ان پر مسلط کر دوں گا۔ تاکہ وہ حقوق اللہ اور حقوق الناس ادا نہ کریں اور وہ جمع شدہ مال ان کے ورثا کے پاس رہ جائے۔ دائیں طرف سے جو حملہ ہوگا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ شیطان شبہات وضلالات کو ان کی نگاہ میں زینت دیکھا

[1] جبر محض ہے اور طریقہ جبر فی الحقیقت ایک شیطانی وسوسہ ہے ۱۲

ان کے دین کو فاسد کر دے گا۔ اور بائیں طرف کا حملہ اس طرح ہو گا کہ لذات دنیا ان کے نزدیک محبوب ہوں گی اور شہوات کا ان کے دلوں پر قبضہ ہو گا۔

(۳) ان حملوں کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تو ان میں سے بہت ہی کم لوگوں کو شکر کرنیوالا پائیگا۔

یہ نمبر جو ہم نے دیئے ہیں ان میں سے دوسرا نمبر پہلے نمبر پر موقوف ہے اور تیسرا نمبر دوسرے کا نتیجہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر شیطان اس پہلے نمبر میں کامیاب نہ ہو تو پھر اس کے چاروں طرف سے حملے ہو سکتے ہیں اور نہ پھر کوئی شخص ان حملوں کی زد میں آکر عدم شکر (کفر) کی وجہ سے مستحق عقاب ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ پہلی شے جس سے شیطان مخلوق کو روکنا چاہتا ہے صراط مستقیم ہے اور شیطان نے بھی اس کے صراط مستقیم ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلے شیطان نے کس چیز میں اختلاف ڈلوایا۔ جس شے پر شیطان نے پہلا حملہ کیا ہو گا وہی صراط مستقیم ہے۔

کوئی پڑھا لکھا آدمی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ پہلا اختلاف جو امت محمدیہ میں پڑا وہ مسئلۂ خلافت میں پڑا۔ جس کے صریحی معنی یہی ہیں کہ شیطان نے اول اسی پر حملہ کیا۔ اور لوگوں کو اس صراط مستقیم کی طرف جانے سے روکا۔ اب دو حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک جم غفیر تو اجماع و شوریٰ کی طرف چلا گیا۔ اور چند لوگ جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ اس مسلک سے الگ رہے۔ اور آج بھی اس مسئلہ میں یہی کیفیت دیکھی جا رہی ہے اس کیفیت کو اپنے ذہن میں رکھو اور پھر شیطان کے اس قول پر نظر کرو۔ ولا تجد اکثرھم شاکرین۔ جس کے صریحی معنی یہ ہیں کہ شکر کرنے والے بہت ہی تھوڑے رہ جائینگے یہی جماعت قلیل ہو گی جو حملہ شیطانیہ سے بچی رہے گی۔ اور یہی وہ لوگ ہوں گے۔ جن کا صراط مستقیم سے تعلق ہو گا اور یہ لوگ کون ہیں۔ ظاہر ہے کہ اصحاب علیؑ ہیں ولذا قال الصادق علیہ السلام الصراط ھنا علیؑ یعنی اس آیت میں صراط مستقیم سے مراد علیؑ ہیں۔

اگر کوئی خوش مذاق بطور استہزاء فرمائیں جیسا کہ آج کل کے مناظر چیوں کا شیوہ ہے کہ لا تجد اکثرھم الخ یہ تو قول شیطانی ہے جو حکایۃً نقل ہوا ہے۔ لہٰذا قول شیطانی سے

تمسک کیسا۔ اور اس پر شہور پھبتی بھی اڑا دیں تو ہمارے پاس اس مسخرہ پن کا جواب تو کوئی نہ ہوگا البتہ ہم انہیں توجہ دلا دیں گے کہ وہ از راہ مہربانی دوسری آیات کو دیکھ لیں۔

اہل عقل کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ شیطان جب اپنے پر غرور آمیز کلمات کہہ چکا درآنحالیکہ وہ اس سے قبل مہلت بھی مانگ چکا تھا کہ جو کچھ میں قیامت تک کروں مجھ سے بازپرس نہ ہو۔ مہلت منظور ہوگئی جو قاعدۂ عدل پر مبنی ہے تو خداوند عالم نے شیطان کے اس قول کی تکذیب نہیں کی۔ اور کیسے کی جاتی۔ اگر کی جاتی تو کھلم کھلا جبر ہوتا۔ جو خلاف حکمت تھا۔ ہاں خدا نے ایک جواب دیا جو ایک حکیم کی بارگاہ سے ملنا چاہئے تھا۔ قال اخرج منها مذؤما مدحورا۔ ارشاد ہوا کہ نکل جنت سے نکل۔ ملعون و مردود ہو کر نکل لمن تبعك منهم لاملئن جهنم منكم اجمعين۔ کچھ پروا نہیں۔ ان میں سے جو بھی تیرا اتباع کرے گا وہ تیرے ہی گروہ میں داخل ہوا اور پھر یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے ان فاقدان شکر کی نسبت جنکی تعداد کثیر ہوگی گروہ شیاطین کے ساتھ جہنم کی تہدید کا اعلان فرمایا ہے۔ نہ یہ کہ اس امر کی تکذیب کی ہو کہ یہ جماعت کثیر متبعین شیطان میں سے نہ ہوگی۔ فافہم و لا تعقل یہیں سے راز کھل جاتا ہے۔ ان قليلا من عبادی الشکور کا بیشک میرے شکر گذار بندے قلیل ہیں" اب آئیے دوسرے مطلب کیطرف

واضح ہو کہ متکلمین متقدمین شیعہ نے اثبات امامت میں اکثر دلائل فطریہ سے کام لیا ہے یہ دلائل عند العقل دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) دلائل انفسیہ (۲) دلائل آفاقیہ یا یوں کہو کہ (۱) دلائل داخلی (۲) دلائل خارجی۔ دلائل داخلی وہ ہیں جو خود نفس انسان میں موجود ہیں اور دلائل خارجیہ وہ ہیں جو نفس انسان سے باہر ہیں اور آفاق عالم میں موجود ہیں۔ یہ ایک ایسا حصر عقلی ہے جو کسی حالت میں شکست نہیں ہو سکتا۔ اسی حصر عقلی کو قرآن مجید اپنے معجزانہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ وفی الارض آیات للموقنين وفی انفسهم افلا تبصرون۔ اہل یقین کے لئے زمینوں میں نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں موجود ہیں کیا تم ان پر نظر نہیں ڈالتے۔ افسوس ہے فی الحقیقت یہ طریقۂ استدلال بھی ملت ابراہیمی ہے ومن یرغب عن ملة ابراهيم الا من سفه نفسه۔ ملت ابراہیمی سے

کون شخص اعتراض کر سکتا ہے مگر وہی جو اپنے نفس کو بے وقوف بنا لے۔

ہشام بن الحکم علیہ الرحمہ جو قدمائے متکلمین شیعہ سے تھے انھوں نے عمر بن لبید عالم بصرہ کے سامنے دلائل انفسیہ سے کام لیا تھا جس پر عالم مذکور مبہوت ہو کر رہ گیا تھا۔ یہہ مناظرہ کتب شیعہ میں موجود ہے اور مشہور جس کے درج کرنے کی ضرورت نہیں۔

پس اس ملت ابراہیمی کے موافق آپ آفاق ارضیہ پر نظر دوڑائیے۔ جس سے معلوم ہو کہ مجموعہ کائنات کس طرح وجود امام پر گواہی دے رہا ہے گو اس کے متعلق اشارات ہو چکے ہیں۔ مگر یہاں تفصیل سے ملاحظہ کیجیے۔

اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اشیائے عالم میں شان ارتقا یقیناً موجود ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر حکمائے اسلام بھی بہت کچھ لکھہ چکے ہیں اور حکمائے فرنگ کے فلسفہ کی تو جان یہی مسئلہ ہے۔ ہم میں ان میں یہ فرق ہے کہ ہم اس ارتقا کی لگا میں ایک قادر مطلق اور حکیم برحق کے ہاتھ میں سمجھتے ہیں اور حکمائے جدید کا گمان ہے کہ یہ تماشہ خود بخود ہو رہا ہے اس اختلاف سے ہمکو یہاں بحث نہیں ہے۔ اس کے متعلق بحث دوسرے مضمون میں کی گئی ہے۔

اب دیکھو یہ ارتقار کیا ہے؟ پہلے محسوسات پر نگاہ ڈال لو اور اس کے لئے تمہیں موجودات میں اول جمادات کو انتخاب کر لینا چاہئے۔ جمادات کی حالت کو غور سے دیکھو موجودات جمادیہ میں لوہا۔ تانبہ۔ قلعی۔ سیسہ۔ چاندی سونا کیا؟ ان چیزوں میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ کیا یہ ترکیب عناصر کی ارتقائی حالت نہیں ہے۔ ضرور ہے۔ یہ خیال معقول نہیں ہے کہ بجائے خود یہ سب عنصر ہیں اور دلیل اس پر یہ قائم کی جائے گہ ان کا تجزیہ نہیں ہوتا۔ یہ تو ہمارا قصور علم ہے۔ جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہو نہیں سکتا۔ خیر یہ ایکدوسری بحث ہے۔ ہمیں اس سے یہاں تعلق نہیں۔ ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ ان چیزوں میں حالت ارتقائی موجود ہے اور سونا یا کندن ترکیب عناصر کی ارتقائی حالت کا نام ہے۔ جو اپنے انواع میں ایک صفت کمال لئے ہوئے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں میں ایک کامل کا وجود موجود ہے۔ اب ایک ہاتھ میں کالے پتھر کا ٹکڑا اٹھاؤ اور ایک ہاتھ میں الماس کا ریزہ لو۔ کسقدر فرق بین ہے۔ یہ نہیں ہے مگر ارتقا۔ یہ ہیرا کیا ہے۔ فی الحقیقۃ عالم احجار میں ایک وجود کامل ہے

اسی طرح عالم جمادات کی جس نوع کو تم اٹھاؤ گے اس میں ایک وجود کامل یقیناً تم کو نظر آئے گا۔ یہ ایک نہ ٹلنے والی بات ہے۔ اور ایک کامل ضرور ہر نوع میں موجود ہے۔ اسی تلاش و تفتیش کو عالم نباتات و عالم حیوانات میں جاری رکھو۔ ان عالموں میں کوئی نوع تم کو ایسی نہ ملے گی جس میں ایک فرد کامل کا وجود نہ ہو۔ خوب دیکھو۔ اس مسئلہ پر خوب غور کرو۔ حکیم مطلق نے ہر عالم میں اور ہر نوع میں ایک وجود کامل قرار دیا ہے کیا یہ بے فائدہ ہے کیا یہ لغو شئے ہے۔ اور اس نوع میں اسی کے لئے شرافت بھی ایسی عطا کی ہے کہ جس سے انسان ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم انسانیت میں کسی فرد کامل کا وجود ہے یا نہیں؟ اس کا جواب دینے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ انسان خلاصۂ موجودات ہے۔ پس یہ طبقۂ انسانیت یا تو اس قابل ہی نہ تھا کہ اس میں کوئی فرد کامل پایا جا سکے یا اس قابل تھا۔ صورت اول غیر معقول ہے اس لئے کہ عالم انسان اپنے ماتحت کی بہ نسبت یقیناً کامل ہے! اور جو کامل ہوتا ہے۔ اس میں استعداد حصول کمال بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بہ نسبت ناقص کے۔ پس طبقۂ انسان بدرجۂ اولے اس کا مستحق ہے کہ اس میں کامل کا وجود پایا جائے۔

یہ بھی غور کا مقام ہے کہ وہ ارتقا جو مشاہد و محسوس ہے اس کا راز قوت باطنی میں مضمر ہے یعنی جس کی قوت باطنی ترقی یافتہ ہے اس کے کمالات بھی بڑھے ہوئے ہیں۔

اس زبردست مشاہدے اور بے مثال قانون فطرت کو دیکھکر طبقۂ انسانیہ میں فرد کامل کے وجود سے انکار کرنا کھلم کھلا سفاہت ہے۔ جب تک کوئی برہان عقلی اس دعوے کے خلاف قایم نہ ہو۔ کیونکر اس سے ہاتھ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے خلاف برہانِ عقلی کیونکر قایم ہو سکتی ہے۔ درآنحالیکہ عالم انسانیت میں ارتقار مشاہد و محسوس ہے۔ کیا تفاوت عقول تم کو نظر نہیں آتا۔ افریقہ کے وحشیوں پر نظر ڈالو اور پھر ان انسانوں پر نظر کرو جن کی عقل کے کرشمے ہوائی تار برقیوں اور دیگر صنایع و بدایع کی شکل میں ہم کو نظر آ رہے ہیں یہ ارتقار انسانی نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ ایسی بدیہیات ہیں جنسے کوئی لا یعقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ پس جب کہ عالم انسانیت

میں بھی ارتقا مسلم ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ارتقائے انسانی کی حد کیا ہوگی۔
حد ارتقائے انسانی بہ مذاق حکما۔ اس ارتقاء کا بیان حسب مذاق حکمائی یہ ہے کہ
کمال انسان دو قوتوں پر منحصر ہے۔ قوت نظری اور قوت عملی اور ہر ایک قوت میں سے بہت
سی قوتیں نکلتی ہیں۔ قوائے نظریہ کی راس و رئیس قوۃ عقلیہ ہے۔ باقی تمام قوائے ادراکیہ
اس کے خادم ہیں اور رئیس قوائے عملیہ قوت فاعلی ہے اور باقی تمام قوائے عملیہ اس کے
ماتحت ہیں۔ اب قوت عقلیہ کا کمال یہ ہے کہ تمامی معقولات یا اکثر معقولات اس کے لئے
بالفعل حاصل ہوں۔ خصوصًا بلا تعلیم غیرے۔ اور دوسرے یہ کہ تمامی قوے اس طرح
اس کے مطیع و منقاد ہوں کہ کسی وقت بھی اس کی مخالفت نہ کر سکیں۔ اسی طرح قوت
فاعلی کا کمال بھی دو چیزوں میں منحصر ہے ایک یہ کہ قوتِ تاثیر اس کی اس مرتبہ میں ہو کہ
آلات و ادوات طبیعیہ کی محتاج نہ ہو۔ اور دوئم یہ کہ تمام قوائے عملیہ اس کے مطیع اور
فرمانبردار ہوں۔

قال الشیخ فی الشفا ان النفس الناطقہ کما لہا الخاص بہا ان یصیر عالما
عقلیا مرتسما صور الکل والنظام المعقول فی الکل والغیر الفائض فی الکل
ثم قال وافضل الناس من استکملت نفسہ عقلاً بالفعل ومحصلاً للاخلاق
التی تکون فضائل عملیۃ وافضل ھولاھو المستعد لمرتبۃ النبوۃ وھو الذی فی
قواہ النفسانیۃ خصائل ثلث ذکرناھا ثم قال ورؤس ھذ الفضائل عفۃ
وحکمۃ وشجاعۃ ومجموعہا العدالۃ وھی خارجۃ عن الفضائل النظریۃ ومن
اجتمعت لہ معہا الحکمۃ النظریۃ فقد سعد ومن فاز مع ذلک بالخواص النبویۃ
کاد ان یصیر ربا انسانیا فکاد ان تحل عبادتہ بعد اللہ وان یفوض الیہ امور
عباد اللہ وھو سلطان العالم الارضی وخلیفۃ اللہ

راس و رئیس حکمائے اسلام شیخ بو علی جو فی الحقیقۃ جامع اقوال حکما ہے۔ کتاب شفا میں
بیان کرتا ہے کہ نفس ناطقہ انسانیہ کا کمال خاص یہ ہے کہ وہ عالم معقولات ہو جائے۔ کل
معقولات کی تصویریں اس میں نقش ہو جائیں اور تمامی نظام معقولات اور خیر فائض فی الکل

کا جامع ہو۔ پھر کہتا ہے کہ افضل الناس وہ ہے کہ جس کا نفس اس طرح کامل ہو کہ عاقل بالفعل ہو جائے (عقل فعال سے اسے ارتباط کلی حاصل ہو جائے) اور قوت عملیہ کے جتنے فضائل اخلاق ہیں وہ سب اسے حاصل ہوں۔ اور ان میں بھی افضل وہ ہوتا ہے جسمیں مرتبۂ نبوت کی استعداد ہو اور یہی وہ شخص ہے جس کے قوائے نفسانیہ کے لئے تین خصلتیں حاصل ہوتی ہیں جنکا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

عبارت شیخ ہیں جن تین خصلتوں کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہیں ھی ان یسمع کلام اللہ ویریٰ ملائکۃ اللہ ویعلم جمیع المعلومات او اکثرھا من عند اللہ وان یطیعہ مادۃ الکائنات باذن اللہ ۔ وہ کلام اللہ کو سنے ملائکہ الٰہی کو دیکھے جمیع معلومات یا اکثر معلومات اسے من اللہ حاصل ہوں اور مادۂ کائنات باذن اللہ اس کا مطیع ہو۔ (رجوع بترجمۂ عبارت اول)

پھر کہتا ہے کہ ان فضائل کی راس و رئیس تین چیزیں ہیں۔ عفت۔ حکمت۔ شجاعت اور ان سب کا مجموعہ ہے عدالت اور یہ چیزیں فضائل قوت نظریہ سے خارج ہیں (اور قوت عملیہ کے فضائل میں داخل ہیں) اور ان فضائل کے ساتھ جس کے واسطے حکمت نظریہ بھی جمع ہو جائے تو بیشک وہ سعادت پر پہنچ گیا۔ اور جو شخص اس کے ساتھ ساتھ خواص نبوتی پر بھی فائز ہو جائے تو قریب ہے کہ وہ رب انسانی ہو۔ مربی کائنات ہو۔ خدا کے بعد اس کی عبادت حلال ہو جائے اور بندگان خدا کے امور اس کو سونپ دیئے جائیں۔ بیشک وہی سلطان عالم ارض ہے اور وہی عالم ارضی میں خلیفۃ اللہ ہے۔

حد ارتقائے انسانی عند المتکلمین قال فخر الدین رازی فی کتابہ المسمیٰ بمطالب عالیہ ولاشک ان اشرف اصناف الانسان واقربھم الی الکمال سکان وسط المعمورۃ سکان الموضع المسمیٰ بایران شہر ثم ان ھذا الصنف من الناس مختلفون ایضاً فی الکمال والنقصان ولاشک انہ یحصل فیھم شخص واحد ھو افضل فعلی ھذا قد ثبت انہ لابد ان یحصل فی کل دور شخص واحد ھو افضلھم واکملھم فی القوۃ النظریۃ والعملیۃ ثم ان الصوفیۃ یسمونہ بقطب العالم

ولقد صدقوا فيه فانه لما كان الجزء الاشرف من سكان هذا العالم هو الانسان
الذی حصلت له القوة النظرية التی بها يستفيد الانوار القدسية من عالم
الملائكة وحصلت له القوة العملية التی بها يقدر علی تدبير هذا العالم الجسمانی
علی الطريق الاصلح والسبيل الاكمل ثم ان ذلك الانسان الواحد هو اكمل
الاشخاص الموجودين فی ذلك الدور كان المقصود الاصلی من كل هذا العالم
العنصری وجود ذلك الشخص ولا شك ان المقصود بالذات هو الكامل واما
الناقص فانه يكون مقصودا بالذات هو الكامل واما الناقص فانه يكون مقصودًا
بالعرض فثبت ان ذلك الشخص هو القطب لهذا العالم العنصری وما سواه كا
التبع وجماعة الشيعة الامامية يسمونه بالامام المعصوم وقد يسمونه بصاحب
الزمان ويقولون انه غائب ولقد صدقوا فی الوصفين ايضاً لانه لما كان خاليا
عن النقائص التی هی فی غيره كان معصوما من تلك النقائص وهو ايضا
صاحب الزمان لانا قلنا ان ذلك الشخص هو المقصود بالذات فی ذلك الزمان
وما سواه فكالاتباع له وهو ايضاً غائبٌ عن الخلق لا يعلمون ان ذالك
الشخص هو افضل معو الدور والماهم۔

علامہ فخر الدین رازی کتاب مطالب عالیہ میں رقمطراز ہیں کہ کوئی شک نہیں کہ اشرف
اصناف انسان اور اقرب الی الکمال دنیا کے وسط کے باشندے ہیں۔ یعنی ایران شہر
کے رہنے والے پھر اس صنف میں بھی لوگ مختلف ہیں۔ کوئی کامل ہے کوئی ناقص اور کوئی شک
نہیں کہ انہیں کا خلاصہ وہ شخص ہوتا ہے۔ جو ان سب سے اکمل و اشرف ہوا کرتا ہے اس
بنیاد پر ثابت ہوا کہ زمانے کے ہر ایک دور میں ایک ایسا شخص ان میں سے نکلتا ہے جو قوت
نظریہ وقوت عملیہ میں ان سب سے اکمل ہوتا ہے۔ اسی کو صوفیہ قطب عالم کہتے ہیں۔ اور سچ
کہتے ہیں اس لئے کہ یہی انسان جسے عالم سفلی میں کچھ قوت نظریہ ایسی حاصل ہوتی ہے کہ عالم
ملائکہ سے اسے انوار قدسیہ کا استفادہ کرتا ہے۔ اور قوت عملیہ اس کی اس پیمانہ پر ہوتی
ہے کہ اس سے عالم جسمانی کی تدبیر نہایت اکمل و اصلح طریقے سے عمل میں لاتا ہے۔ اور

ایسا انسان سکان عالم سفلی کا جزو اشرف ہے اور یہی وہ اکیلا انسان ہے جو اس کے دور کے اشخاص موجودین میں سب سے کامل ہے۔ تو اب مقصود اصلی اس عالم عنصری کا وہی قرار پائے گا۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جو کامل ہوتا ہے مقصود اصلی وہی ہوتا ہے اور جو ناقص ہیں وہ مقصود بالعرض ہوا کرتے ہیں پس اس مقام سے ثابت ہوا کہ عالم عنصری کا قطب وہی شخص ہے اور جو اس کے ماسوا ہیں وہ سب اس کے تابعین ہیں۔ شیعہ امامیہ اسی کو امام معصوم کہتے ہیں اور کبھی صاحب الزمان بھی۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ غائب ہے اور وہ ان دونو وصفوں کے بیان میں سچے بھی ہیں۔ اس لئے کہ جب یہ شخص ان نقائص سے خالی ہے جو دوسروں میں پائے جاتے ہیں تو یقیناً وہ نقائص سے معصوم ہوگا۔ نیز وہ صاحب الزمان بھی ہے اس لئے کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اپنے زمانہ میں یہی شخص مقصود بالذات ہوتا ہے اور اس کے ماسوا باقی سب اس کے اتباع میں سے ہیں۔ اسی طرح وہ مخلوق سے غائب بھی ہے کیونکہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ شخص اس زمانے میں افضل و اکمل ہے۔

فخرالدین رازی کی یہ تقریر بھی مذاق حکمت کی بنا پر ہے لیکن چونکہ ان کا شمار متکلمین میں سے ہے لہذا اسی طبقہ میں ان کا ذکر کیا گیا۔

مذاق تصوف۔ حکما کے خیالات ناظرین کو معلوم ہو چکے اب ذرا اہل تصوف کے خیالات کی بھی اس بارے میں سیر کر لیجئے۔ فاضل جلیل محمد علی ابن علی التہاوی کشاف اصطلاحات الفنون میں رقمطراز ہیں۔

صاحب الزمان وصاحب الوقت والحال هو المتحقق بجمعیة البرزخیة الاولی المطلع علی حقائق الاشیاء الخارج عن حکم الزمان وتصرفات ماضیه ومستقبله الی الآن الدائم فهو ظرف احواله وصفاته وافعاله فلذلك یتصرف فی الزمان بالطی والنشر وفی المکان بالبسط والقبض لانه المتحقق بالحقائق والطبائع و الحقائق فی القلیل والکثیر والطویل والقصیر والعظیم والصغیر سواء اذ الواحدة والکثرة والمقادیر کلها عوارض وکما یتصرف فی الوهم فیها کذلك

فی العقل فصدّق وافہم تصرفہٗ فیہما بالشہود والکشف الصریح فانّ المتحقق بالحق المتصرف بالحقائق یفعل مایفعل فی طور و اطوار الحس والوھم والعقل ویتسلط علی العوارض بالتغییر والتبدیل کذا فی اصطلاحات الصوفیہ

صاحب الزمان ۔ صاحب الوقت اور صاحب الحال وہ شخص ہے جس میں برزخیت اولے (عالم عقلی) کی جامعیت متحقق ہے ۔ ایسا شخص حقائق اشیا پر مطلع ہوتا ہے ۔ یہ حکم زمانہ سے خارج ہوتا ہے اور زمانہ کے ماضی و مستقبل تا قیامت اس میں تصرف نہیں کر سکتے ۔ پس زمانہ اس کے حالات وصفات وافعال کے لئے بمنزلہ ظرف ہے ۔ اسی لئے وہ زمانہ میں تصرف کرتا ہے ۔ جب چاہے اسے لپیٹ دے ۔ اور جب چاہے اسے پھیلادے ۔ اسی طرح سے مکان میں بھی قبض وبسط کے ساتھ اس کا تصرف ہے ۔ اس تصرف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام حقائق وطبایع اس کے وجود میں متحقق ہوتی ہیں ۔ اور حقائق خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر طویل ہوں یا قصیر ۔ عظیم ہوں یا صغیر سب برابر ہیں ۔ اس لئے کہ وحدت وکثرت اور اندازہ وغیرہ یہ سب کے سب عوارضات ہیں اور جس طرح وہ حقائق کے مدارج وہمیہ میں تصرف کرتا ہے اسی طرح مدارج عقلیہ میں بھی پس تو اس کی تصدیق کر اور مشاہدہ وکشف صریح کے ساتھ سمجھ کہ وہ کیونکر حقائق میں تصرف کرتا ہے ۔ پس وہ وجود جو متحقق بالحق اور متصرف علی الحقائق ہو اس کے جتنے افعال ہوتے ہیں وہ اطوار حس ووہم وعقل سے بہت بالا ہوا کرتے ہیں اور عوارضات پر اس کا تسلط تغیر وتبدیل کے ساتھ ہوتا ہے وہ عوارضات کو متغیر اور تبدیل کرتا رہتا ہے ۔

اگرچہ یہ عبارت تشریح طلب ہے ۔ لیکن اس مقام پر یہ شرح ہمارے مطلب سے خارج ہوگی ہمیں صرف اتنا دکھلانا ہے کہ حضرات صوفیہ نے ایک ایسے انسان کا وجود تسلیم کیا ہے ۔ جو صاحب الزماں ہو اور حقائق اشیا پر مطلع ہو نیز زمان وزمانیات پر اس کا تصرف ہو ۔ اور زمانے کا دست تصرف اس پر دراز نہ ہو سکے ۔ گویا ان کے نزدیک یہ ایک ایسا انسان ہے ۔ جو انسانیت کی حد آخری پر واقع ہے ۔

مشاہدہ فطرت ۔ انسان کی حد ارتقا معلوم کرنے کے لئے ہم پھر مشاہدہ فطرت کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اس مشاہدے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ عالم مادی کے وہ طبقات جو

ہمارے زیر نظر ہیں۔ ان میں شان ارتقا یہ ہے کہ طبقۂ ادنےٰ کی حد آخری طبقۂ اعلےٰ کی حد اول سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی طبقۂ ادنے کے کمالات کا خاتمہ اس امر پر ہوتا ہے کہ اس میں اپنی شان بھی باقی ہو۔ اور پھر طبقۂ اعلےٰ کے آثار بھی اس میں موجود ہوں۔ مثلاً عالم جمادات میں مرجان۔ اس میں جمادیت بھی ہے اور اپنے سے اعلےٰ طبقہ یعنی نباتات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یعنی اس میں قوت نمو بھی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح نباتات میں ایسے پودے ہیں جو عالم نباتات میں رہ کر آثار حیوانیت لئے ہوئے ہیں۔ بعض حساس ہیں مثلاً چھوئی موئی۔ بعض شکاری ہیں جیسے کہ بعض اقسام کے پھول۔ بعض نر و مادہ کے ملے بغیر پھل نہیں دیتے۔ یا دیتے ہیں تو ناقص اور بہت کم جیسے کہ درخت خرما۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے طبقۂ نباتات میں اپنے سے بالا طبقۂ حیوانات کا اثر لے رکھا ہے۔ اسی طرح حیوان کو دیکھو۔ گھوڑے اور بندر کے خصائل پر نظر ڈالو۔ جس سے معلوم ہوگا کہ ایسے بھی حیوان ہیں جنہوں نے عالم حیوانیت میں رہ کر طبقۂ انسانیت کا اثر لے رکھا ہے۔ ایسی چیزیں دو جنسوں کے درمیان برزخ کہلاتی ہیں اور برزخ اسی کو کہتے ہیں۔ جو ذوجہتین ہو۔ جس کا ایک سرا ادھر سے متصل ہو۔ دوسرا اُدھر سے۔

اس قانون محکم کی بنا پر دیکھو کہ ارتقائے انسانی کی شان یہ ہوگی کہ اس کی ایک جہت طبقۂ انسانیت سے ملی ہوئی ہوگی اور دوسری طبقۂ اعلےٰ سے اور ایسا انسان ان دونو عالموں کے درمیان برزخ کبریٰ کہلائے گا۔ انسان کے لئے ہم نے لفظ برزخ کبرے اس لیے استعمال کیا کہ محسوسات میں سب سے افضل و اکمل انسان ہے۔ لہٰذا اس کی برزخیت بھی مکمل ہوگی اس لئے اسے برزخ کبرے کہنا بالکل صحیح ہے۔

جب عقل سلیم نے مشاہدۂ فطرت کی بنا پر یہاں تک پہنچا دیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا باقی رہیگا کہ انسان سے بالا کونسا طبقہ ہے کہ جس کی حد اول سے انسانیت کی حدِ آخری وابستہ ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ محسوسات حواس ظاہری میں اب کوئی طبقہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ عقل بھی اس مقام پر عاجز آ جائے۔ اور ہم عقل کی آنکھوں سے کسی عالم اعلےٰ کا معائنہ نہ کر سکیں۔

اب یہاں سے ہم اس مضمون کا مخاطب اہل مذہب اور خصوصاً اہل اسلام کو قرار دیکر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک اب دو ہی باتیں ہیں یا تو وہ اس طبقۂ انسانیت سے اعلےٰ عالم ملائکہ کو قرار دیں گے یا عالم الوہیت کو۔ سوائے اسکے کوئی تیسرا قول قرار نہیں پائیگا۔

اس مقام پر پہنچکر عقل سلیم یہ کہتی ہے کہ طبقہ ملائکہ عالم انسانیت سے افضل نہیں قرار پا سکتا۔ اول یہ کہ انسان قوائے مختلفہ رکھتا ہے۔ ملائکہ صرف ایک قوت کے حامل ہیں۔ احسن تقویم میں انسان کی خلقت ہوئی ہے نہ کہ ملائکہ کی۔ ملائکہ نے انسان کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے ملائکہ کو۔ اگر ملائکہ میں انسان سے بڑھکر کوئی فضیلت ہوتی تو افضل کو مفضول کے سجدے پر مامور کرنا حکیم کا فعل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہم جس ارتقاء کی بحث کر رہے ہیں اس کا دارومدار جسم ظاہری پر تو ہے نہیں بلکہ کمالات باطنیہ پر ہے اور کمالات باطنیہ میں سب سے اعلےٰ شئے علم ہے جو اس میں بڑھا ہوا ہوگا یقیناً اسکی فضیلت مسلم رہیگی۔

هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون وما یتذکر الا اولوالباب

کیا مساوی ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے۔ اس بات پر غور نہیں کرتے مگر صاحبان عقل۔ یہ ایک اصول عقلی ہے اور اس سے گریز کرنے والا اولوالباب سے خارج اور ناقابل خطاب۔ انسان کے سامنے کل ملائکہ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور انسان نے ان کو تعلیم دی۔ پس عالم اور معلم کی فضیلت مسلم۔

پس وجوہات بالا کے لحاظ سے ہم عالم ملائکہ کو عالم انسانیت سے بالا نہیں سمجھتے۔ متکلمین اسلامیہ کے ایک گروہ نے افضلیت ملائکہ پر زور دیا ہے اور کچھ آیات قرآنی سے بھی تمسک کیا ہے لیکن وہ دلائل عند التحقیق وقیع ثابت نہیں ہوتے۔ پس عالم ملائکہ طبقۂ انسانیت سے افضل نہیں ہے تو لامحالہ دوسری شق کو اختیار کرنا پڑیگا۔ اور کہنا پڑیگا کہ ع

تجھ سے آگے بس خدا کی ذات ہے

یعنی عالم انسانیت سے افضل صرف عالم الوہیت ہے لاغیر۔ اب اسی قاعدۂ نظریۂ ارتقاء کیموافق یعنے ہر طبقہ کے درمیان ایک ایسی شئے بطور برزخ موجود ہے جو اپنے طبقہ کے خواص کے علاوہ طبقۂ اعلےٰ کے خواص بھی لئے ہوئے ہے۔ پس یہی رنگ یہاں بھی جاری ہوگا۔ یعنی وہ انسان

جو عالم انسانیت اور عالم الوہیت کے درمیان برزخ کبرٰی واقع ہوا ہے۔ اس میں علاوہ انسانیت اثرات الوہیت بھی پائے جائیں گے۔ بلاشک وشبہ اور اس میں نہ کوئی استبعاد ہے نہ استحالہ اور ہم ہر زمانہ میں اس برزخ کبرٰی کا وجود ماننے پر ازطرف عقل مامور ہوں گے۔ انہیں برزخ کبرٰی سے مخاطب ہو کر خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے

وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علے الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔

ہمنے تم کو امت درمیانہ قرار دیا ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے اعمال پر نگراں رہو اور رسول تمپر نگراں رہے۔ یہ امت وسطہ ہو نہیں سکتے۔ مگر وہی افراد جنہیں برزخ کبرٰی کہا جاتا ہے۔ وہی عالم انسانیت اور عالم الوہیت کے درمیان حد فاصل ہیں اور فیض الٰہی جو کچھ بندوں پر نازل ہوتا ہے وہ انہیں برزخوں کے توسط سے آتا ہے

مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان۔

دریائے وجوب وامکان اپنی اپنی حدوں میں بہ رہے ہیں۔ ان کے درمیان میں ایک برزخ ہے جس کے سبب سے ایک دوسرے کی طرف نہیں بڑھتا۔ اس تقریر سے ارباب بصیرت سمجھ گئے ہوں گے کہ مدار بقائے انسانی کیا ہے۔ اور کوئی دلیل اس پر قایم نہیں ہوسکتی کہ کوئی زمانہ بھی ایسے انسان کے وجود سے خالی رہے۔ بلکہ عقل یہ کہتی ہے کہ پہلے وجود اسی انسان کا کامل ہو جیسے کہ ظاہراً و باطناً ہوا بھی ہے۔ تاریخ شریعت بتاتی ہے کہ پہلے جس انسان کی نمود ہوئی اور جس سے انسانی نسل کی نمود ہوئی وہ انسان کامل ہی تھا۔ اور باطنی طور سے اگر دیکھو تو بھی پہلے پہل عالم ایجاد کا آفتاب انسان کامل ومکمل ومکمّل ہے۔ جس کے گرد تمام نظام شمسیہ گردش کررہے ہیں وہ صرف قطب عالم سفلی نہیں بلکہ قطب عالمین ہے۔ آیہ وافی ہدایہ تبارک الذی نزل الفرقان علے العالمین نذیرا۔

پاک ہے وہ ذات جس نے فرقان اپنے عبد پر نازل فرمایا تاکہ وہ عالمین کا نذیر ہو۔ اسی کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ اسی قطبیت کو خلافت الٰہیہ سے نامزد فرمائے۔ اسی کی طرف خلیفۃ اللہ نے فرمایا ہے۔

لقد تقمصها فلان وهو العلم ان محلی منها محل القطب من الرحی
فلان شخص نے بتکلف پیرہن خلافت پہننا چاہا جو کسی طرح اس کے جسم پر ٹھیک نہیں اتر سکتا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مجھے اس خلافت سے وہی تعلق ہے جو قطب آسیا کو آسیا سے۔
ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر۔ میں اس مقام بلند پر ہوں کہ سیلاب فیوض خداوند عالم مجھ سے منحدر ہو کر دنیا کو سیراب کر رہا ہے اور میں اس موضع رفیع پر قائم ہوں کہ طائر خیال کے بھی مجھ تک آتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ گویا وجود مقدس خلیفۃ اللہ وامام العالمین سدرۃ المنتہی ہے کہ جبرئیل جیسے مقرب فرشتے کی رسائی بھی یہیں تک ہے اس سے آگے نہیں۔ اس سے آگے قدم بڑھانے کی وہ جرأت ہی نہیں کر سکتا۔ لو دنوت انملۃ لاحترقت اگر ایک انچ بھی آگے بڑھوں گا تو تجلیات عالم الوہیت سے جل جاؤنگا۔
اب تو آپ نے دیکھا کہ نظام کائنات کس خوبی اور حسن کے ساتھ خلیفۃ اللہ اور انسان کامل کے وجود کی شہادت دے رہا ہے۔
ارشادات معصوم۔ اس ارتقائے انسانی کے متعلق آپ کو ارشادات معصومین پر بھی نظر ڈالنی چاہئے۔ ہم نے اسی مضمون میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں معصوم نے روحوں کے اقسام کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انسانِ کامل ارواحِ چہارگانہ (نبوت و بدن وقوتؐ و ایمان) کے علاوہ ایک اور روح کا حامل ہے ہے جسے روح القدس کہتے ہیں اور ان افراد کاملین میں جو سب سے اکمل ہوتا ہے۔ وہ روح اعظم کا حامل ہوتا ہے اور یہ روح وہ روح ہے کہ تمام ارواح جس کے ماتحت ہیں۔ بلکہ سب اسی کے پرتو ہیں۔ مزید توضیح یہ ہے کہ نفس ناطقہ کے لئے بھی فی الحقیقت مدارج ہیں۔ کما صرح بہ حکیم الربانی خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لما سئل عن النفس روی ان اعرابیاً سال امیرالمومنین علیہ السلام عن النفس فقال لہ عن ای نفس تسئال فقال یامولائی ھل النفس انفس عدیدۃ فقال نعم نفس نامیۃ نباتیۃ ونفس حسیۃ حیوانیۃ ونفس ناطقۃ قدسیۃ ونفس الٰھیۃ ملکوتیۃ کلیۃ قال یامولائی ما النباتیۃ قال قوۃ اصلھا الطبائع الاربع بدا و ایجادھا عند

مسقط النطفة مقرها الكبد مادتها من لطائف الاغذية فعلها النمو والزيادة
وسبب فراقها اختلاف المتولدات فاذا فارقت عادت الى ما منه بدأت
عوداً ممازجةً لا عوداً مجاورة فقال يا مولائ وما النفس الحيوانية قال قوة
فلكيةٌ وحرارةٌ غريزيةٌ بدو ايجادها عند الولادة الجسمانية فعلها الحيوة والحركة
والظلم والغشم والغلبةُ واكتساب الاموال والشهوات الدنيوية مقرها القلب
وسبب فراقها اختلاف المتولدات فاذا فارقت عادت الى ما منه بدأت
عوداً ممازجةً لا عوداً مجاورة فتنعدم صورتها ويبطل فعلها ووجودها ويضمحل
تركيبها فقال يا مولائ وما النفس الناطقة القدسية قال قوة لاهوتيةٌ بدو
ايجادها عند الولادة الدنيوية مقرها العلوم الحقيقية الدينية موادها التائيدات
العقلية فعلها المعارف الربانية وسبب فراقها تحلل الالات الجسمانية فاذا
فارقت عادت الى ما منه بدأت عود مجاورة ولا عود ممازجة فقال يا مولائ
وما النفس اللاهوتية الملكية الكلية قال قوة لاهوتية وجوهرة بسيطةٌ حية
بالذات اصلها العقل منه بدأت وعنه دعت واليه دلت واشارت وعودها
اليه اذا كملت وشابهته ومنه بدأت الموجودات واليه يعود بالكمال فهي ذات
العليا وشجرة طوبىٰ وسدرة المنتهى وجنة الماوىٰ من عرفها لم يشق وما هوىٰ
ومن جهلها ضل سعيه وغوى فقال السائل يا مولائ وما العقل قال العقل
جوهر دراك محيطٌ بالاشياء من جميع جهاتها عارف بالشئ قبل كونه فهو علة الموجودات
ونهاية المطالب ؎

ایک اعرابی نے حضرت سے نفس کی بابت سوال کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تو کس نفس کی بابت
دریافت کرتا ہے۔ اعرابی نے عرض کیا کہ یا مولا کیا بہت سے نفس ہیں فرمایا ہاں نفس نامیہ نباتیہ
نفس حسیہ حیوانیہ۔ نفس ناطقہ قدسیہ۔ نفس الٰہیہ ملکوتیہ کلیہ۔ اعرابی نے عرض کی یا مولا نفس
نباتیہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ ایک قوت ہے جس کی اصل طبائع اربع (حرارت و برودت و رطوبت
و یبوست) ہیں۔ اس کی ایجاد استقرار نطفہ کے وقت ہوتی ہے مقام اس کا جگر ہے۔ مادہ

اس کا غذاؤں کا جوہر لطیف ہے۔ فعل اس کا نمو اور زیادتی (بڑھنا) اور نشو ونما حاصل کرنا ہے اور اس کے فراق کا سبب ان چیزوں کا اختلاف ہے جو اس کے تولد کا سبب ہوتی ہیں۔ اور جب یہ مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل میں جاکر مل جاتا ہے۔ اس سے جدا نہیں رہتا

اعرابی نے پوچھا یامولا نفس حیوانیہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک قوت فلکی اور حرارت غریزی ہے جس کا مقام قلب ہے۔ اس کی پیدائش ولادت جسمانی کے وقت ہوتی ہے۔ اس کے افعال حیات وحرکت وظلم وجور وغلبہ واکتساب اموال وشہوات دنیویہ ہیں۔ اس کے فراق کا سبب یہی اختلاف متولدات ہے اور جب یہ مفارقت کرتا ہے۔ تو اپنی اصل میں جاکر مل جاتا ہے۔ اس کی صورت مٹ جاتی ہے اور افعال اس کے باطل ہوجاتے ہیں۔ اس کا وجود فنا ہوجاتا ہے اور ترکیب مضمحل ہوجاتی ہے۔

اعرابی نے عرض کیا یامولا نفس ناطقہ قدسیہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک قوت لاہوتی ہے جسکی ایجاد ولادت دینی کے وقت ہوتی ہے۔ مقام اس کا علوم حقیقیہ دینیہ ہیں۔ مواد اس کا تائیدات عقلیہ ہیں۔ اور فعل اس کا معارف ربانی۔ اس کے فراق کا سبب آلات جسمانیہ کی تحلیل ہے جب یہ مفارقت کرتا ہے تو اپنی اصل کی طرف عود کرجاتا ہے۔ مگر نہ اس طرح کہ اسمیں ملجائے بلکہ اسکی مجاورت اختیار کرتا ہے۔

اعرابی نے عرض کیا کہ یامولائی نفس الٰہیہ ملکوتیہ کلیہ کیا چیز ہے؟ فرمایا ایک قوت لاہوتی ہے جوہر بسیط ہے۔ حی بالذات ہے۔ اصل اس کی عقل ہے اسی سے اس کی ابتدا ہے۔ اسکی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کی طرف دلالت اور اشارہ کرتا ہے اور جب یہ کامل اور اس کے مشابہ ہوجاتا ہے تو اسی کی طرف عود کرتا ہے کیونکہ تمام موجودات کی ابتدا عقل سے ہی ہوئی ہے اور اسی کی طرف کمال حاصل کرکے سب چیزیں عود کرتی ہیں۔ پس یہ نفس الٰہیہ ملکوتیہ کلیہ ذات علیا ہے۔ شجرۂ طوبےٰ ہے۔ سدرالمنتہیٰ ہے۔ جنۃ الماویٰ ہے جس نے اسے پہچان لیا وہ شقاوت سے بچ گیا اور سرنگوں نہ ہوا۔ اور جو اس سے جاہل رہا۔ اسکی تمام کوششیں باطل ہوگئیں اور وہ گمراہ ہوگیا۔ سائل نے پھر عرض کیا کہ عقل کیا شے ہے؟ فرمایا عقل ایک جوہر ہے جو مدرک کامل ہے تمام اشیاء پر ہر جہت سے محیط ہے۔ یہ جوہر

ہر شئے کا قبل اس کی ایجاد و تکوین کے عالم ہے۔ پس وہی علت موجودات اور انتہائے مطالب ہے۔

لطیفہ۔ قبل اسکے کہ اس حدیث مقدس سے ہم اپنے مطلب کی طرف چلیں۔ اس لطیفہ پر نظر ڈال لیجئے۔ وہ یہ کہ فقرات آخری میں حضرت نے نفس الٰہیہ کلیہ کی اصل عقل کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ عقل ہے جس کا مقام۔ مقام لاہوت سے بالا ہے۔ اور نفس کلیہ الٰہیہ اسی سے شروع ہوتا ہے۔ اسی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسی کی طرف دلالت اور اشارہ کرتا ہے اور پھر بحالت کمال و مشابہت اسی کی طرف عود کر جاتا ہے۔ اب اس عقل کی طرف بھی توجہ کرو کہ یہ کون ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں اول ماخلق اللہ العقل وانا العقل سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا۔ اور میں عقل ہوں اس کی تائید اس صفت سے بھی ہوتی ہے جو حدیث زیر بحث میں حضرت نے فرمائی ہے یعنی علت غائی موجودات ونہایۃ المطالب اور دنیائے اسلام میں یہ مسلم ہے کہ علت غائی موجودات وجود محمدی ہے صلے اللہ علیہ وآلہ اب تشخص عقل کے بعد یہ بھی غور کرو کہ نفس الٰہیہ کلیہ کون ہے۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے "منہ بدئت"۔ اسی عقل سے اسکی ابتدا ہوئی۔ اس صفت کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں جو جابر سے مروی ہے اپنے نور کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ففتق منہ نور علی" "پھر اس نور میں سے نور علیؑ کو نکال لیا" پہلی صفت معلوم ہوگئی۔ دوسری صفت اس نفس الٰہیہ کی یہ ہے۔ عنہ دعت والیہ دلّت واشارت۔ یہ نفس اسی کی طرف کو دعوت دیتا ہے اور اسی کی طرف دلالت واشارہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ مستقلہ عقل کی ہے اور نفس اس کی طرف دعوت دینے والا اور بلانے والا۔ تیسری صفت یہ ہے کہ نفس الٰہیہ کلیہ جب اس کی طرف عود کرتا ہے تو پورے کمال و مشابہت تامہ کے ساتھ عود کرتا ہے۔ اس سے نفس وعقل کی مشابہت تامہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ محمدؐ و علیؑ میں مشابہت تامہ ہے اس مقام سے مساوات بین محمدؐ و علیؑ کا راز کھل جاتا ہے اور نبی کے فضائل خاصہ بھی بحال خود رہتے ہیں۔ پس اب عقل کون ہے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نفس کلیہ الٰہیہ کون ہے؟ علی ابن ابی طالب صلوٰۃ علیہ کما جاء فی النہایات

السلام علیٰ نفس اللہ القائمۃ بالسنن سلام ہو اس نفس الٰہیہ پر جو سنن کیساتھ قائم ہے۔ یہ سنن کیا چیز ہیں یقیناً شریعتِ محمدی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی نفس کلیہ الٰہیہ کو قرآن میں نفسِ رسول بھی کہا گیا ہے۔ جو یقیناً صحیح ہے۔ قل تعالوا ندع ابنائنا وابناءکم ونسائنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم الآیہ

رجوع بہ مطلب۔ غرض اس حدیث مقدس میں جو نفس ناطقہ کے مراتب بتائے گئے ہیں ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اعلےٰ مدارج کمال انسانی یہی ہیں اور وہ وجود بھی جسے عقل کہا گیا ہے۔ عالم انسانیت سے باہر نہیں ہے اور آخری حد انسانیت یہی ہے حکمائے مذاق پر آپ اسے عقل اول کہہ لیجئے۔ لیکن کچھ ہی کہئے ہے یہ یقیناً وجود محمدی جیسا کہ صاحبان حکمت کے اشارے بھی اس کی طرف موجود ہیں اور اگر نہ بھی ہوتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا حکیم ربانی سے بہتر کس کا کلام ہو سکتا ہے۔

یہ ہے حد ارتقائے انسانی اور اس مرتبہ پر جو انسان فائز ہوتا ہے وہی مقصود عالم انسانیت بلکہ مقصود کائنات ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس انسان کی فوق سوائے عالم الوہیت اور کوئی عالم نہیں اور اس عالم کے آثار بقاعدۂ مشاہدۂ فطرت اسمیں پائے جانے ضرور ہیں لہٰذا اس کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں جنہیں تمام عقلیں سن کر گھبرا اٹھتی ہیں اور فوراً انکار پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون میں ایک خطبہ امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم نے درج کیا ہے۔ جو اسی قسم کا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ بعض احباب اس پر چونکے ہوئے تھے۔ حالانکہ اگر ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اس تمام مشاہدے پر نظر کر کے ہم کہتے ہیں کہ عقل تجویز کرتی ہے کہ ایسا وجود ہر ایک دور میں اور ہر زمانہ میں موجود رہنا چاہیئے۔ بلکہ عقل اس کے موجود ہونے کے وجوب کا حکم لگاتی ہے۔ اب رہی اس کی غیبت۔ اس کے معنی وہی ہیں جس کے متعلق علامہ فخرالدین رازی نے اشارہ بھی کر دیا ہے وہ یہ کہ ہم اسے نہیں پہچانتے۔ حالانکہ وہ یقیناً موجود ہے۔ کیونکہ غیبت کے معنی یقیناً عدم کے نہیں ہیں۔ پس یہ نہ پہچاننا ہمارے نفس کی خرابی ہے

ہماری آنکھوں کا قصور ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے پہچاننے کی کوشش کریں۔ اور چونکہ حضور خدمت کی تکلیف ہم پر عقلاً ساقط ہے۔ اس لئے ہمارا فرض یہی ہے کہ اس کے وجود پر اس کے صفات پر ایمان لائیں تاکہ دنیا سے باایمان اٹھیں۔ افرا تومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کے زمرہ میں شامل نہ ہوں۔

ایک اور برہان فطری ۔گو ہم اس مضمون کی طرف جسے لکھنا چاہتے ہیں مختصراً اشارہ کر آئے ہیں۔لیکن ذرا تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کیجئے کہ دنیا میں وہ انسان جس نے کچھ بھی عقل سے حصہ پایا ہے تسلیم کرے گا کہ انسان فطرۃً مشتاق کمال ہے۔ اس اشتیاق کا حال یوں کھلیگا کہ آپ کسی سے دریافت کریں کہ تم کامل بننا چاہتے ہو یا ناقص۔ وہ یقیناً شق اول کو اختیار کریگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنی اختیار کردہ شکل پر عمل نہ کرے۔ اسی طرح اگر کسی انسان سے کہا جائے گا کہ تم ناقص ہو تو اس کے دل پر ایک صدمہ سا گذرے گا۔ یہ کیوں؟ یہ اسلئے کہ فطرت بالطبع کمال کو اچھا سمجھتی ہے۔ اور شائق کمال ہے۔

اب اس مقام پر دو سوال پیدا ہوں گے اول یہ کہ یہ خواہش حسن ہے یا قبیح۔ قبیح کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی نہیں کہہ سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ حسن ہے اور جب یہ حسن ہے تو یقیناً اس کا حاصل کرنا بھی حسن ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ خداوند عالم جو خالق انسان ہے اس نے جو یہ خواہش فطرت انسانی میں ودیعت کی آیا کوئی بندوبست ایسا بھی کیا کہ انسان اسے حاصل کر کے فائز المرام ہو۔ ہم چونکہ اس خواہش کو حسن مان چکے ہیں اور یہ ماننا زبردستی کا ماننا نہیں۔ بلکہ عقل بالبداہت اس کے حسن کا حکم لگا رہی ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ خداوند عالم نے اس کے حصول کا ضرور سامان مہیا کیا ہے۔ جس کا دوسرا نام لطف ہے۔ اور یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ حصول حسنات یقیناً مطلوب ذات واجب الوجود ہے۔ پس جو شے کہ اسے مطلوب ہے ضرور ہے کہ اس کے لئے سامان بھی پیدا کرے ورنہ خلاف حکمت ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اسے اپنی معرفت کی تکلیف دی تو ضرور ہے کہ حصول معرفت کے سامان اس کی طرف سے مہیا کئے جائیں ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ واقعی خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا اور اسے اپنی معرفت کی تکلیف دی - یہی معرفت کمال ہے - اور یہ کوئی اعتقادی بات نہیں ہے بلکہ فی الحقیقت معرفت الٰہی ہی عین کمال ہے - انسان جس قدر اس سے دور رہتا ہے - اسی قدر نقصان اٹھاتا ہے اور اسکی انسانیت ناقص ہوتی جاتی ہے - پس یہ معرفت یا تو ہر ایک انسان بطور خود حاصل کرے گا یا دوسرے کے ذریعہ سے - پہلی صورت بالبداہتہ باطل ہے - اس لئے دوسری صورت ہی لازم ہوگی - اور اس صورت میں وہ ذریعہ جس سے یہ معرفت حاصل کر رہا ہے یا تو کسی ذریعہ کا محتاج ہے یا نہیں - اگر وہ محتاج ہے تو پھر اس کو بھی ایک ذریعہ کی ضرورت ہے - اب اس ضرورت کا سلسلہ منقطع نہیں ہو سکتا - مگر ایسے وجود تک پہنچکر کہ جو اس میدان میں ابنائے جنس کا محتاج نہ ہو - بیشک اسی کو ہم فرد کامل اور انسان کامل سے تعبیر کریں گے یہی ایک سامان ہے حصول معرفت کا جو منجانب اللہ مہیا کیا جاتا ہے اور چونکہ معرفت الٰہی ہر زمانہ میں ہر انسان پر واجب ہے - لہذا ایسے وجود مقدس کا وجود بھی ہر زمانہ میں ضروری ہے -

واضح ہو کہ خداوند عالم نے اپنی مخلوق پر جبر روا نہیں رکھا اس لئے ایسے وجود کے خلق کر دینے سے اس کی حکمت کی حجتیں پوری ہوگئیں اور بس - اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اسکی معرفت حاصل کریں اور اس کی معرفت سے خدا کی معرفت ہمیں علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو چنانچہ زمانہ آخری میں اسنے جزو نور محمدی کو اپنی معرفت کا ذریعہ قرار دیا - بلکہ اگر غور سے دیکھو تو مدعیان معرفت کا امتحان جیسا اس زمانہ میں لیا گیا ہے پہلے نہیں لیا گیا -

خیال کرو کہ دعوے ہے معرفت خدا کا - مدعی اس امر کے ہیں کہ خدا کو عالم مطلق و قادر مطلق جانتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں کہ انسان اتنی طویل مدت تک زندہ کیونکر رہ سکتا ہے - یہاں سے کھل گیا کہ فی الحقیقت انکا دعوئے معرفت الٰہی جھوٹا تھا - یہ ہرگز خدا کو قادر و مختار نہیں مانتے - خدا کا قائل ہو کر کوئی شخص ایسی مہمل بات نہیں کہہ سکتا - ہاں دہریت کی بارگاہ سے ضرور ایسے سوال اُٹھتے ہیں - اور افسوس ہے کہ اب مسلمانوں کے خون میں بھی دہریت کے ذرّے مل چکے ہیں -

یہ کہنا کہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا اسے ہم بھی مان سکتے ہیں۔ لیکن ہم تو پھر یہ سوال کرینگے کہ کیا انسان قانون قدرت پر بالکلیہ حاوی ہو چکا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ فلاں امر قانون قدرت کے خلاف ہے سراسر نادانی ہے۔

خیر ان لوگوں کو چھوڑیئے۔ ان کے حال پر چھوڑیئے۔ ہمیں ان سے کیا اپنے اپنے اعمال اپنی اپنی قبر۔ ہمیں اس قیل و قال سے الگ ہو کر یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خلاصۂ کائنات وہی انسان کامل یا خلیفۃ اللہ ہے۔ مقصود بالذات وہی ہے تو اب یقینی ہے کہ جب تک وہ اس عالم میں موجود ہے یہ عالم بھی بحال خود قایم ہے اور جب اسکا وجود اس عالم سے رخصت ہوگا تو یہ عالم بھی اسی کے ساتھ ہی سمٹ جائے گا۔ اور یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب کا نقشہ ظاہر ہوگا۔ یعنی ہم اس دن آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذوں کے طومار کو لپیٹ دیتے ہیں۔

کما قال بعض المحققین لما کان المقصود من ایجاد العالم و ابقائہ الانسان الکامل والامام العادل الذی ھو خلیفۃ اللہ فی ارضہ کما ان المطلوب من تسویۃ الجسد النفس الناطقۃ وجب ان تخرب الدار الدنیا بانتقال ھذا الانسان عنھا کما ان الجسد یبلی و یفنی بمفارقۃ النفس الناطقۃ عنہ فانہ سبحانہ لا یتجلی علی العوالم الدنیویۃ الا بواسطتہ و کمالاتہ فینقل الدنیا عند انتقالہ و یخرج ما کان فیھا من المعانی والکمالات الی الآخرۃ فعند ذلک انشقت السماء و کورت الشمس و انکدرت النجوم وانتشرت و سیرت الجبال و زلزلت الارض و جاءت القیامۃ و وقعت الواقعہ قال امیر المومنین علیہ السلام لا تخلو الارض من قائم للہ بحجۃ اما ظاھرا مشھورا و اما خائف مغمورا قال السجاد لولا ما فی الارض منا لساخت باھلھا و قال الباقر علیہ السلام لو ان الامام رفع من الارض ساعۃ لماجت باھلھا کما یموج البحر و قال الصادق علیہ السلام لو بقیت الارض بغیر امام ساعۃ لساخت و قال الرضا علیہ السلام لو خلت الارض طرفۃ عین من حجۃ لساخت باھلھا

(کلھا فی الکافی)۔

اس عالم کی ایجاد اور پھر اس کے باقی رکھنے سے جب مقصود بالذات انسان کامل۔امام عادل ہے ۔ اور خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے جیسا کہ جسم کے تسویہ سے مقصود نفس ناطقہ ہے تو اب واجب ہے کہ جب یہ انسان کامل اس دنیا سے انتقال کرے تو دنیا خراب ہو جائے جیسا کہ نفس ناطقہ کے مفارقت کر جانے سے بدن کہنہ ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ تجلیات خداوند عالم اسی انسان کامل کے ذریعہ سے عالم دنیوی تک پہنچتی ہیں۔ پس اس ذریعہ کے منقطع ہوتے ہی وہ امداد منقطع ہو جاتی ہے جو اس عالم کی بقا کا سبب ہے اور اس کے کمالات اس سے وابستہ ہیں۔ پس اس کے انتقال کے ساتھ ہی دنیا بھی انتقال کر جائے گی۔ اور جو کچھ دنیا میں معانی و کمالات ہیں وہ سب آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اسوقت آسمان شق ہوگا۔ سورج کی روشنی جاتی رہیگی۔ ستارے مانند ہو کر بکھر جائیں گے۔ پہاڑ متحرک ہوں گے۔ زمین متزلزل ہوگی۔ قیامت آجائے گی۔ اور واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ زمین حجۃ قائمہ خداوندی سے خالی نہیں رہتی۔ یہ حجت یا تو ظاہر و مشہور ہوگی یا خائف و مستور حضرت سجادؑ فرماتے ہیں کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص زمین میں نہ ہو تو زمین و اہل زمین برباد ہو جائیں حضرت باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ایک ساعت کے لئے بھی امام زمین سے اٹھ جائے تو زمین اہل زمین سمیت اس طرح تلاطم میں آئے جیسے کہ سمندر موجین مارتا ہے۔ حضرت صادقؑ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر زمین ایک ساعت بھی امام کے بغیر رہے تو فنا ہو جائے حضرت رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر زمین ایک لحظہ کے لئے بھی حجت خدا سے خالی ہو تو اہل زمین سمیت فنا ہو جائے۔ یہ تمام احادیث اصول کافی میں موجود ہیں جنسے معلوم ہوا کہ جب تک انسان کامل دنیا میں رہتا ہے عالم محفوظ ہوتا ہے۔ اور خزائن الٰہی مضبوط۔ اور جب وہ عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے دنیا سے مفارقت کر کے آخرت کی اقامت اختیار کرتا ہے اور افراد انسانی میں کوئی اس قابل نہیں ہوتا جو کمالات الٰہیہ سے متصف ہو کر اس کا قائم مقام ہو اور حق تعالےٰ اسے اپنے خزانوں کا خزینہ دار قرار دے

ایسی حالت میں جو کچھ کمالات و معانی خزائن دنیا میں ہوتے ہیں اٹھائے جاتے ہیں اور یہ کمالات خزائنِ آخرت سے ملحق کر دئے جاتے ہیں۔ اب یہ خزانہ داری کی خدمت آخرت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ پس تجلیات الٰہیہ اہل آخرت کو بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ مگر انسان کامل کے توسط اور وسیلہ سے اور جس طرح دنیا میں اس کے لئے یہ منصب قائم تھا۔ اسی طرح آخرت میں بھی رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہم صرف اسی دنیا میں امام کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ آخرت میں یہاں سے زیادہ ہیں۔ اس لئے کہ مقام آخرت جو فی الحقیقت انسان کے لئے ایک مقام ترقی ہے وہاں کے کمالات کا ہرگز اس دنیا کے کمالات پر اندازہ نہیں کیا جاسکتا ہیں زیادتی کمالات کے ساتھ ہماری احتیاج بھی زیادتی اختیار کریگی اسلئے امام کی معرفت عقلاً واجب ہے کیونکہ دونو جہان کے فیوض اسکی ذات سے وابستہ ہیں پس وہ شخص جسنے دنیا میں امام کی معرفت حاصل کرلی۔ وہ یقیناً آخرت میں فیوض الٰہی کے حصول کے واسطے جو بتوسطِ امام پہنچیں گے مستعد ہو گیا اسی مقام سے مسئلہ شفاعت کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

اور جس شخص نے اس دنیا میں رہ کر ہوا و ہوس میں زندگی بسر کی امام برحق کو نہ پہچانا ہر ایک ناعق و منادی ضلال کو اپنا امام بنایا۔ اس میں استعداد حصول فیوض الٰہی پیدا نہ ہوئی تو آخرت میں فیوض ربانیہ سے اسکو کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور اسی انقطاع فیوض کی شکل بہ شکل دوزخ نمودار ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے شفاعت کا کوئی حصہ نہیں۔ اس لئے کہ ہر شخص کا حشر اس کے امام کے ساتھ ہوگا اور جس سے جس کو محبت ہوتی ہے وہی محبوب شے اس کی اصل ہے۔ پس بحکم کل شیٔ یرجع الےٰ اصلہٖ۔ ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹے گی۔ ہدایت یافتہ ہدایت کی طرف رجوع کریں گے۔ اور گمراہ گمراہی کی جانب اور یوم ندعوا کل اناسٍ بامامھم کا راز اس روز مشاہدہ میں آجائیگا ذالک یوم الجمع یہی دن جمع کا دن ہے۔

اب میدان قیامت میں حساب خلق امامت مطلقہ کے سپرد ہوگا۔ اور وہی اس دن کے مالک ہوں گے۔ جیسا کہ سابقاً گذرا۔ وہی میزان اعمال ہیں جیسا کہ سابقاً اشارہ

کیا جا چکا اور وہی صراط مستقیم ہیں۔
تحقیق صراط - لکل انسانٍ من ابتداء حدوثہ الیٰ منتھیٰ عمرہ انتقالات جبلیۃ وحرکات طبیعیۃ اشتدادیۃ لایزال ینتقل من صورۃٍ الیٰ صورۃٍ حتی یتصل بالعالم الاصلی ویلحق بالملاء الاعلیٰ ان ساعدہ التوفیق وکان من الکاملین اوباصحاب الیمین ان کان من المتوسطین اویحشر مع الشیاطین والحشرات فی عالم الظلمات ان ولاہ الطبع او الشیطان وقارنہ الخذلان وھذا معنی الصراط المستقیم منہ ما اذا سلکہ اوصلہ الی الجنۃ وھو ما یشتمل علیہ الشرع وانک لتھدی الی صراط المستقیم صراط اللّٰہ العزیز الحمید وھو صراط التوحید والمعرفۃ والتوسط بین الاضداد فی الاخلاق والتزام صوالح الاعمال وبالجملۃ صورۃ الھدیٰ الذی انشاہ المومن لنفسہ مادام فی عالم الطبیعۃ وھو ادق من الشعر واحدہ من السیف مظلمٌ لا یھتدی الیہ الا من جعل اللّٰہ لہ نوراً یمشی بہ فی الناس یسعی الناس علیہ علیٰ قدر انوارھم روی الصدوق فی کتاب معانی الاخبار باسنادہ عن الصادقؑ انہ سئل عن الصراط فقال ھو الطریق الیٰ معرفت اللّٰہ عزوجل وھما صراطان صراط فی الدین وصراطٌ فی الآخرۃ واما الصراط الذی فی الدنیا فھو الامام المفترض الطاعۃ من عرفہ فی الدنیا واقتدیٰ بھداہ مر علی الصراط الذی ھو جسد جھنم فی الآخرۃ ومن لم یعرفہ فی الدنیا زلت قدمہ عن الصراط فی الآخرۃ وتردیٰ فی نار جھنم وباسنادہ عنہ ایضاً قال الصراط المستقیم امیرالمومنین علیہ السلام وفی بصائرالدرجات عن الصادق علیہ السلام انہ سئل عن قول اللّٰہ عزوجلّ وان ھذا صراط علیٰ مستقیم فاتبعوہ قال ھو واللّٰہ علیؑ ھو واللّٰہ الصراط والمیزان۔

انسان ابتدائے حدوث سے لے کر انتہائے عمر تک انتقالات جبلّیہ میں گرفتار ہے - اس کی حرکات طبیعی جو نہایت شدت کے ساتھ اپنا کام کرتی ہیں اسے گردش دے رہی ہیں وہ ایک صورت سے دوسری صورت اور ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہوتا ہے

یہاں تک کہ عالم اصلی سے ملحق ہو جائے۔ اب اگر توفیق الٰہی شامل حال ہے۔ اور کاملین
سے ہے تو ملاء اعلیٰ سے ملحق ہوگا۔ اور اگر متوسطین میں سے ہے تو اصحاب الیمین سے جا ملیگا
اور اگر طبیعت اور شیطانیت اس پر غالب ہے اور خدلان الٰہی نے اسے گھیر لیا ہے تو
وہ عالم ظلمات میں شیاطین اور حشرات الارض کے ساتھ محشور رہیگا۔ یہ ہیں صراط مستقیم کے
معنی کہ اگر انسان اس پر چلے گا۔ تو وہ اسے جنت میں پہنچا دیگا اور یہ وہ طریقہ ہے۔ جو شریعت
مقدسہ نے مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے حبیب سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے تو بیشک
صراط مستقیم کیطرف ہدایت کرتا ہے وہ صراط صراط اللہ العزیز الحمید ہے۔ یہ صراط توحید و معرفت
ہے اور وہ نقطہ توسط ہے جو اخلاق متضادہ کے اعتدال سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اعمال
صالحہ کے التزام سے جس کی حقیقت نظر آتی ہے۔ بالجملہ مومن اس عالم مادیات میں رہکر اپنے
لئے جو ہدایت کی شکل پیدا کرتا ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے تلوار سے زیادہ تیز ہے
نہایت تاریک ہے کوئی شخص اسکی طرف نہیں جاتا مگر وہی جس کے لئے خداوند عالم نے
ایک نور قرار دیدیا ہو۔ جس کے سبب سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہو۔ اور لوگ اپنی اپنی
استعداد نورانیہ کے موافق اس صراط مستقیم پر چلتے ہیں۔ صدوق علیہ الرحمہ نے باسناد خود
معانی الاخبار میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ سے صراط کے
متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ طریقہ معرفت الٰہی ہے۔ اور صراط دو ہیں ایک صراط
فی الدنیا ہے اور ایک صراط فی الآخرہ۔ دنیا میں جو صراط ہے وہ امام مفترض الطاعۃ
ہے جس نے دنیا میں اس کو پہچان لیا اور اس کی ہدایت کی اقتدا کی تو وہ اس صراط پر سے
گذر جائے گا۔ جو جہنم پر بطور پل کے بنا ہوا ہے اور جس نے دنیا میں اسے نہ پہچانا تو اسکا
قدم آخرت میں صراط پر سے پھسل جائے گا۔ اور وہ جہنم میں گر پڑے گا۔ نیز صدوق علیہ الرحمہ
نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صراط مستقیم علی علیہ السلام
ہیں۔ بصائر الدرجات میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے قول خداوند
عالم ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه (بیشک علیؑ ہی کا رستہ سیدھا رستہ ہے
پس اس کی متابعت کرو) کی نسبت سوال کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ وہ علیؑ ہیں۔ واللہ

وہی صراط و میزان ہیں"

تحقیق اس مقام پر یہ ہے کہ جتنے حقائق ہیں۔ وہ آخرت میں شکلیں اختیار کرنیوالے ہیں۔ پس ہدایت علوی اس مقام پر شکل صراط اختیار کرے گی۔ اب جو لوگ اس سے دنیا میں مانوس ہو چکے ہیں وہ علےٰ قدر محبت و انس اس پر سے جلدی یا دیر میں گذریں گے۔ اور جن لوگوں کو یہاں کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ طریقۂ علیؑ سے قطعاً علٰحدہ ہیں۔ انہیں کبھی اس پر سے گذرنا میسر نہوگا۔ اور نہ وہ کبھی گذر سکیں گے۔ یہی کیفیت میزان کی ہے۔

الامام هو اهل الاعراف یہی کیفیت اعراف کی ہے۔

الاعراف لکان استقاتهما من المعرفة فالکمل من الانبیاء والاولیاء هم العارفون والمعروفون والمعرّفون الله للناس فی هذه النشاة وانکان من العرف بمعنے المکان العالی المرتفع فالکمل هم الذین من فرط معرفتهم و شدة بصیرتهم کانهم فی مکانٍ عالٍ مرتفع ینظرون الی سائر الناس فی درجاتهم و درکاتهم ویمیزون السعداء عن الاشقیاء علےٰ معرفة منهم بهم وهم بعد فی هذه النشاةِ کما اشار الیه امیر المومنین علیه السلام اُقسم برب العرش العظیم ولو شئت اخبرتکم باٰبائکم واسلافکم این کانوا ومن کانوا واین هم الاٰن وما صاروا الیه وفی بصائر الدرجات عن الاصبغ بن نباتہ قال کنتُ عند امیر المومنین علیه السلام جالسًا فجاءه رجل فقال له یا امیر المومنین وعلے الاعراف رجال یعرفون کلاً بسیماهم فقال له علی علیه السلام علی الاعراف نحن نعرف انصارنا بسیماهم ونحن الاعراف الذی لایعرف الله الا بسبیل معرفتنا ونحن الاعراف نوقف یوم القیمة بین الجنة والنار فلا یدخل الجنة الا من عرفنا وعرفناه ولا یدخل النار الا من انکرنا وانکرناه وذلک بان الله تبارک وتعالےٰ لوشاء عرف الناس حتے یعرفوا حدّه ویاتوه من بابه ولکن جعلنا ابوابه وصراطه، وسبیله

وبابہ الذی یوتی منہ وباسنادہ الصحیح عن الباقر علیہ السلام انہ سئل عن هذہ الآیۃ فقال نزلت فی هذہ الامۃ والرجال هم الائمۃ من آل محمد علیهم السلام قیل فمن الاعراف قال صراط بین الجنۃ والنار فمن شفع لہ الائمۃ منا من المومنین المذنبین نجی ومن لم یشفعوا لہ هوی وفی روایۃ اخری عنہ علیہ السلام قال نحن اولئک الرجال الائمۃ منا یعرفون من یدخل النار ومن یدخل الجنۃ کما تعرفون قبائلکم الرجل منکم یعرف من فیها من صالح او طالح وما فی روایۃ اخری عنہ علیہ السلام انهم قوم استوت حسناتهم وسیئاتهم فقصرت بهم الاعمال وانهم لکما قال اللہ تعالیٰ وفی روایۃ اخری فان ادخلهم اللہ النار فبذنوبهم وان ادخلهم الجنۃ فبرحمتہ۔

اعراف کا اشتقاق اگر معرفت سے لیا جائے۔ تو وہ کاملین انبیاء و اولیا ہیں جو عارف ہیں۔ معروف ہیں۔ اور لوگوں کے لئے اس دنیا میں خداشناسی کا ذریعہ ہیں۔ اور اگر اس کو "عرف" سے لیا جائے جس کے معنی ہیں مکان بلند و مرتفع تو بھی یہ وہی کاملین ہیں۔ اور یہ بزرگوار فرط معرفت و شدت بصیرت کے سبب سے گویا ایک مرتفع و بلند مکان پر قایم ہیں۔ تمام لوگوں کے درجات و درکات کا نظارہ کرتے ہیں۔ سعیدوں کو شقیا سے تمیز کرتے ہیں۔ اس معرفت کے سبب سے جو انھیں انکے ساتھ ہے۔ اور یہ معرفت انھیں اسی دنیا میں حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین ع نے اشارہ فرمایا کہ میں رب عرش عظیم کی قسم کھاتا ہوں اگر میں چاہوں تو تمھیں تمھارے آبا و اسلاف کے متعلق خبر دوں کہ وہ کہاں تھے۔ کس سبب سے گئے اب وہ کہاں ہیں اور کس حالت میں گرفتار ہیں بصائر الدرجات میں اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ میں خدمت امیرالمومنین ع میں حاضر تھا ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ یا امیرالمومنین ع اس قول خداوندی "اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے جو سب کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے" سے کیا مراد ہے فرمایا

وہ ہمیں ہیں جو اعراف پر ہونگے اور اپنے انصار کو انکی پیشانیوں سے پہچانینگے - اور ہمیں وہ اعراف ہیں کہ خدا نہیں پہچانا گیا مگر ہماری معرفت کے طریقہ سے ہمیں وہ اعراف ہیں جو روز قیامت جنت و نار کے درمیان کھڑے ہونگے پس کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو ہمیں پہچانتا ہو اور ہم اسے پہچانتے ہوں - اور دوزخ میں کوئی داخل نہ ہوگا مگر وہی جو ہمارا منکر ہو - اور ہم اس کے منکر ہوں - اور یہ اس لئے ہے کہ اگر خداوند عالم چاہتا (بلحاظ قدرت) تو ہر شخص کو اپنی معرفت کرا دیتا اور وہ سب اس کو کامل طور پر پہچان لیتے - اور اسی کے دروازے سے اس کی طرف آتے مگر اس نے (بلحاظ حکمت) ہمیں اپنے ابواب - اپنا صراط - اپنی سبیل اور اپنا وہ باب قرار دیا ہے - جس سے اس کی طرف آ سکتے ہیں (بغیر اس کے نہیں آ سکتے)

باسناد صحیح حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے اسی آیت کی بابت سوال کیا گیا - آپ نے فرمایا کہ یہ آیت اس امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور رجال سے مراد ائمہ آل محمد علیہم السلام ہیں - عرض کیا گیا کہ اعراف کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ایک رستہ ہے جنت و دوزخ کے درمیان - پس جس مومن مذنب کی ائمہ شفاعت کریں گے وہ نجات پائے گا - اور جس کی شفاعت نہ کریں گے وہ سر کے بھل جہنم میں گرے گا - دوسری روایت میں حضرت ہی سے مروی ہے کہ فرمایا ہم وہ رجال ہیں جو ائمہ ہیں - ہم دوزخی اور جنتی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے تمہارے قبیلے میں سے کوئی شخص اپنے قبیلے کے نیک و بد کو پہچانتا ہو - دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ہی نے فرمایا کہ اہل اعراف وہ لوگ ہیں جن کے حسنات و سیئات برابر ہوں گے - اور اعمال میں ان کے کمی ہوگی - اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر خدا انہیں دوزخ میں داخل کرے تو ان کے گناہوں کے سبب سے ہے اور اگر انہیں بخشدے تو اس کی رحمت ہے -

روایات سابقہ کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن آخری دو روایتیں بظاہر ان روایتوں سے مختلف نظر آتی ہیں - لیکن فی الحقیقۃ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے - اس لئے کہ یہ اس قوم کی طرف اشارہ ہے جو اہل اعراف کے ساتھ ہوگی - اور وہ عارفین مذنبین ہیں

الا ان دونوں کو اہل اعراف کہا جا سکتا ہے۔ جیساکہ دوسری حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے
لما روی عنہ علیہ السلام قال الاعراف کثبان بین الجنۃ والنار
یوقف علیہا کل نبیٍ وکل خلیفۃ نبیٍ مع المذنبین من اہل زمانہ کما تقف
صاحب الجیش مع الضعفاء من جندہ وقد سبق المحسنون الی الجنۃ
فیقول ذلک الخلیفۃ للمذنبین الواقفین معہ انظروا الی اخوانکم المحسنین
قد سبقوا الی الجنۃ فیسلم علیہم المذنبون وذلک قولہ تعالے سلام
علیکم لم یدخلوہا وہم یطمعون ان یدخلہم اللہ ایاہا بشفاعۃ
النبی والامام وینظر ہولاء الی النار فیقولون ربنا لاتجعلنا مع القوم
الظالمین وینادی اصحاب الاعراف وہم الانبیاء والخلفاء رجالا من
اہل النار ورؤساء الکفار یقولون لہم مقرعین ما اغنی عنکم
جمعکم واستکبارکم اہولاء الذین اقسمتم لاینالہم اللہ برحمۃ اشارۃ
لہم الی اہل الجنۃ الذین کان الرؤساء یستضعفونہم ویحتقرونہم و
یستطیلون علیہم بدنیاہم ویقسمون ان اللہ لایدخلہم الجنۃ
ویقول اصحاب الاعراف ہولاء المستضعفین عن امر من امر اللہ لہم
بذلک ادخلوا الجنۃ لاخوف علیکم ولا انتم تحزنون ای لاخائفین ولامحزونین
(رواہا الطبرسی فی تفسیرہ المسمی بالجوامع)

حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اعراف ایک مقام مرتفع ہے۔ جنت
ونار کے درمیان جسپر ہر ایک نبی اور خلیفہ نبی اپنے زمانہ کے گنہگاروں سمیت کھڑا ہوگا
جیساکہ صاحب لشکر اپنے کمزور سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور صاحبان احسان
ان مذنبین سے پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔ اسوقت خلیفہ نبی ان گنہگاروں سے جو
اس کے ساتھ ہوں گے کہیگا کہ اپنے ان صاحبان احسان بھائیوں کو دیکھو جو جنت
میں پہنچ گئے یہ گنہگار اُن کو سلام کریں گے۔ جیساکہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے۔
لم یدخلوہا وہم یطمعون۔ یعنی اہل جنت پر سلام بھیجیں گے۔ اور یہ خود ابھی

داخل جنت نہیں ہوئے۔ مگر جنت میں داخل ہونے کی طمع کر رہے ہیں اور وہ طمع یہ ہے
کہ خداوند عالم ان کو بھی نبی و امام کی شفاعت سے داخل جنت کر دے۔ اور پھر یہ
گنہگار آگ کی طرف دیکھیں گے۔ اور عرض کریں گے کہ خداوندا ہمیں ظالموں کی جماعت کے
ساتھ نہ کرنا۔ اور صاحبان اعراف (انبیاء و ائمہ) دوزخیوں اور روساء کفار کو درشتی
کے ساتھ ندا دیں گے کہ دیکھو تمہاری جماعت (یا جمع مال و زر) اور تمہارے تکبر نے آج
تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا اور اہل جنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ دیکھو یہ
وہی لوگ ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ انھیں خدا کی رحمت نہ پہنچیگی۔ یہ
روساء کفر و ضلال ان اہل جنت کو دنیا میں حقیر جانتے تھے۔ ان لوگوں نے انہیں
کمزور کر دیا تھا۔ اور اپنی دنیا پر مغرور ہو کر ان پر دست ستم دراز کرتے تھے۔ اور
قسمیں کھاتے تھے کہ خدا انہیں داخل جنت نہ کرے گا۔ اور پھر بحکم خدا صاحبان اعراف
ان گنہگاروں سے جو ان کے ساتھ ہوں گے کہیں گے کہ تم داخل جنت ہو جاؤ۔ اب تم پر
نہ کوئی خوف ہے نہ حزن و ملال۔ یعنے اب نہ تم خائف ہو گے اور نہ محزون۔ اس حدیث
کو علامہ نے اپنی تفسیر جوامع میں روایت کیا ہے۔

الامام ہو قسیم الجنۃ والنار۔ تحریر مندرجہ بالا بھی اس فقرہ کے معنے سمجھہ میں
آسکتے ہیں۔ اور قسیم النار والجنۃ ایک ایسا فقرہ ہے جو اہل علم کی زبانوں پر ہے۔ مگر
ہم مزید توضیح کے لیے اسکے متعلق احادیث نقل کر دیتے ہیں۔

روی الصدوق رحمۃ اللہ فی العلل باسنادہ عن مفضل بن عمر
قال قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام بما صار علی ابن ابی طالب
علیہ السلام قسیم الجنۃ والنار قال لانّ حبہ ایمان وبغضہ
کفر وانما خلقت الجنۃ لاھل الایمان وخلقت النار لاھل الکفر
فھو علیہ السلام قسیم الجنۃ بھذہ العلۃ الجنۃ لا یدخلھا الا اھل
محبۃ والنار۔ لا یدخلھا الّا
اھل بغضہ قال المفضل یا ابن رسول اللہ فالانبیاء والاوصیاء

هل كانوا يحبونه واعداؤهم يبغضونه قال نعم قلت فكيف ذلك قال
اما علمت ان النبی صلی الله علیه واله وسلم قال یوم خیبر لاعطین
الرایة غداً رجلاً یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله ما یرجع حتی
یفتح الله علی یده قلت بلی قال اما علمت ان رسول الله صلی الله علیه و
اله لما اتی بالطائر المشوی قال اللهم ائتنی باحب خلقک
الیک یاکل معی هذا الطائر وعنا به علیاً علیه السلام قلت وبلی قال
یجوزان لایحب انبیاء الله ورسله واوصیائهم رجلاً یحبه الله و
رسوله ویحب الله ورسوله فقلت لا قال فهل یجوز ان یکون المومنون
من امهم لایحبون حبیب الله وحبیب رسوله وانبیائه علیهم السلام
قلت لا قال فقد ثبت ان جمیع انبیاء الله ورسوله وجمیع المومنین
کانوا لعلی ابن ابیطالب محبین وثبت ان المخالفین لهم کانوا له ولجمیع
اهل محبته مبغضین قلت قال نعم فلا یدخل الجنة الا من احبه من الاولین
والاخرین فهو اذن قسیم الجنة والنار قال المفضل ابن عمر فقلت له یا ابن
رسول الله فرجت عنی فرج الله عنک فزدنی مما علمک الله فقال سل
یا مفضل فقلت یا ابن رسول الله افعلی ابن ابی طالب یدخل محبه الجنة
ومبغضه النار او رضوان و مالک فقال یا مفضل اما علمت
ان الله تبارک وتعالی بعث رسوله صلی الله علیه واله وهو روح الی
الانبیاء وهم ارواح قبل ان یخلق الخلق بالفی عام قلت بلی قال اما علمت
انه دعاهم الی توحید الله وطاعته واتباع امره ووعدهم الجنة علی ذلک
واوعد من خالف ما اجابوا الیه وانکره النار قلت بلی قال افلیس النبی
صلی الله علیه واله ضامناً لما وعد واوعد عن ربه عزوجل قلت بلی قال
افلیس علی ابن ابی طالب خلیفته وامام امته قلت بلی قال اولیس رضوان
ومالک من جملة الملائکة والمستغفرین لشیعته الناجین بمحبته قلت بلی قال

فعلی ابن ابیطالب اذن قسیم الجنۃ والنار عن رسول اللہ ورضوان ومالک صادران عن امرہ بامر اللہ تبارک وتعالیٰ یا مفضل خذ ھذا فانہ من مخزون العلم ومکنونہ لا تخرج الا الی اھلہ۔

صدوق علیہ الرحمہ نے علل الشرائع میں باسنا دخود مفضل بن عمر سے روایت کی ہے مفضل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ علی ابن ابی طالبؑ کس لئے جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے قرار پائے۔ آپ نے فرمایا کہ انکی محبت ایمان ہے اور انکی دشمنی کفر اور جنت اہل ایمان کیلئے پیدا ہوئی ہے اور دوزخ اہل کفر کیواسطے پس وہ حضرت اس سبب سے جنت ودوزخ کے قاسم ہیں جنت میں نہیں داخل ہونگے مگر صاحبان محبت اور دوزخ میں نہیں جائینگے مگر ان کے دشمن مفضل نے عرض کیا کہ کیا انبیاء واوصیاء بھی ان کو دوست رکھتے تھے اور دشمنان انبیاء واوصیاء ان کے دشمن تھے فرمایا ہاں۔ عرض کیا کیونکر؟ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ روز خیبر رسول اللہ نے فرمایا کہ میں کل کے دن علم ایسے شخص کو عطا کروں گا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور خدا اور رسول اسے دوست رکھتے ہیں وہ بغیر فتح حاصل کئے واپس نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں جانتا ہوں۔ فرمایا کیا تو نہیں جانتا کہ جس وقت بھنا ہوا پرند حضرت کی خدمت میں لایا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ خداوندا میرے پاس اس شخص کو بھیجدے جو تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو۔ اور میرے ساتھ اس پرند کو تناول کرے اور مراد حضرت کی اس کلام سے علیؑ تھے۔ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کیا اب جائز ہے کہ خدا کے انبیاء ورسول اور اُنکے اوصیاء اس شخص کو دوست نہ رکھیں جسے خدا اور اُسکا رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ خدا ورسول کو دوست رکھتا ہے۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کیا یہ امر جائز ہے کہ ان کی امت کے مومنین حبیب خدا ورسول خدا کے دوست نہ ہوں۔ عرض کیا نہیں فرمایا پس ثابت ہوگیا کہ تمام انبیاء ورسل اور تمامی مومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے محب تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مخالفین انبیاء سب اس کے اور اس کے محبوں کے دشمن تھے۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا پس جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اولین وآخرین میں سے مگر وہ شخص جس نے علیؑ کو دوست رکھا ہو۔ پس وہ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا

ابن رسول اللہ آپ نے میرے دل کی گرہ کھول دی خدا آپ کو کشائش عطا کرے۔ کچھ اور بیان فرمائیے۔ فرمایا سوال کر۔ میں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اپنے محبوں اور دشمنوں کو جنت و دوزخ میں داخل کریں گے۔ یا رضوان و مالک؟ آپ نے فرمایا اے مفضل کیا تجھے معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے اپنے رسول کو بہ حالت روحانی انبیاء پر مبعوث کیا۔ جب وہ سب عالم ارواح میں تھے۔ مخلوق کی خلقت سے دو ہزار برس پہلے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا کہ پھر کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ نے انہیں توحید خدا اطاعت خدا اور اتباع امر خدا کی طرف دعوت دی۔ ان سے جنت کا وعدہ کیا۔ اور جو شخص اس چیز سے جسے ان انبیاء نے قبول کیا ہے۔ مخالفت کرے۔ اور اس کا انکار کرے۔ تو اس کے لئے دوزخ کا وعدہ ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں مجھے معلوم ہے۔ فرمایا کہ اب رسول اللہ کیا اس وعدہ و وعید کے ضامن نہیں ہیں۔ جو انھوں نے خدا کی طرف سے کیا ہے عرض کیا کہ بیشک ضامن ہیں۔ فرمایا کیا علیؑ ابن ابی طالب ان کے خلیفہ اور انکی امت کے امام نہیں ہیں۔ عرض کیا ضرور ہیں۔ فرمایا کیا مالک رضوان گروہ ملائکہ میں سے جو شیعیان علیؑ کے لئے استغفار کرنے والے ہیں۔ نہیں ہیں۔ عرض کیا کہ ضرور ہیں۔ فرمایا پس علیؑ ابن ابی طالبؑ رسول اللہ کی طرف سے قسیم الجنۃ والنار ہیں اور رضوان و مالک بحکم خدا علیؑ کے حکم کے موافق عمل کرنے والے ہیں۔ اے مفضل اسے اپنے قلب میں جگہ دے لے۔ یہ مکنون و مخزون علم میں سے ہے اور سوائے اس کے جو اس کا اہل ہو اور کسی سے اسے بیان نہ کرنا۔

اس حدیث مقدس سے ہمارا مطلب بہت اچھی طرح واضح ہوگیا اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ آیات قرآنیہ بھی اس پر دال ہیں اور عقل بھی اس کی معقولیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ ایک امر واقعی ہے کہ ذات مقدس امامؑ ہمارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب ہے۔ ہماری تربیت روحانی و جسمانی اسی کے متعلق ہے۔ مخلوقات کا حساب و کتاب اسی کے سپرد ہے اور نجات آخرت اسی کی معرفت پر منحصر ہے۔ مثل اهل بیتی کمثل سفینۃ نوحٍ من رکبھا نجےٰ ومن تخلف عنھا غرق وھوےٰ۔ پس جو

سفینہ اہل بیت میں سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی۔ اور جس نے تخلف کیا وہ غرق ہوا۔
اور اوندھے منہ جہنم میں داخل ہوا۔

ہر اہل ایمان کو لازم ہے کہ وہ معرفت امام میں ترقی کرے۔ خصوصًا اس زمانہ میں کہ حجت خدا نظر سے غائب ہے۔ اس کی معرفت میں پوری پوری کوشش کرے۔ اعمال صالحہ میں کوشاں ہو۔ اور سمجھ لے کہ ہماری زندگی کا ماحصل معرفت امام ہے۔ یہی معرفت خداوندی کا زینہ ہے۔ اور بغیر اسکے معرفت خدا کا حاصل ہونا محال۔ فقط

(والسلام علی من اتبع الهدیٰ)

جلاء العینین فی سیرۃ علیؑ ابن الحسینؑ

سید الساجدین امام زین العابدینؑ کی مکمل سوانح عمری

جتنی قومیں اسوقت زندہ رہ کر حقیقی عزت سے بسر کررہی ہیں اگر غور سے دیکھو توان کی حیات کا راز سربستہ اس میں مخفی نظر آئے گا کہ انھوں نے اپنے بزرگوں کی یاد کو ہر وقت دلوں میں تازہ رکھا اور صرف زبانی دعوٰوں کی بناء پر نہیں بلکہ سلف صالحین کے کارنامے اور سوانح عمریاں انھوں نے شائع کرکے دنیا کو شاہ راہ حقیقی کی پگڈنڈی پر لگا دیا۔ کس قدر افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ وہ فرقہ جو حقانیت کا مدعی اور معصومین کی تاسی کو اپنا شعار قرار دینے والا ظاہر کرتا ہے اسکے جمود و غفلت پر غیر اقوام مضحکہ اُڑاتی ہیں کس قدر حیرت اور استعجاب کا موقع ہے کہ جس مظلوم کی پیادہ پائی اور وادیٔ محبت میں کانٹوں پر چلکر تلؤوں کے فگار ہوجانے والے واقعات کو سن سن کر آنکھوں سے اشک خونی بہائے جائیں۔ اس بزرگوار کی تاریخ ولادت و وفات تک نہ معلوم ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان واقعات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے ہزاروں روپیہ صرف کرکے ائمہ علیہم السلام کی سوانح عمریاں زیور طباعت سے آراستہ کرکے ملک وقوم کے سامنے پیش کیں لیکن آج ان کی جلدیں کثیر تعداد میں طاقِ نسیان کے نذر ہورہی ہیں اور قوم کی ناقدری اور طلب العیش کی یہ حالت ہے کہ "طرحدار لونڈی کی خریداری کو باعث نجات اور امام زین العابدینؑ علیہ السلام کی سوانح عمری پڑھنے کو تضیع اوقات سمجھتے ہیں بہر صورت ہم جناب مولانا مولوی السید مظہر حسن صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی یہ جدید یادگار تصنیف جو ہر حیثیت سے حضرت سید الساجدینؑ کی مکمل سوانح عمری ہے محبانِ حسینؑ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لئے چشم براہ ہیں کہ بازار مصطفےٰ میں کون خریدار مرضات الٰہی کا گرانبہا خلعت زیب جسم کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے

قیمت عہ

المشتھر سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی مالک مطبع اثنا عشری دہلی

کشف الحقائق فی احوال امام جعفر صادقؑ

وہ امام جس سے مذہب جعفریؑ کو تقویت ہوئی وہ امام جس نے اپنی صداقت کی بنا پر دشمنوں اور مخالفوں سے صادق کا خطاب حاصل کرلیا وہ امام جس کے زمانہ میں لوگ یہ کہنے کے قابل ہوئے ع جعفری باش گر خدا خواہی۔

یہ اسی امام ناطق کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری ہے جسے مولانا مولوی السید مظہر حسن صاحب قبلہ مصنف تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنینؑ نے قید قلم میں لاکر ملک و قوم پر گرانبہا احسان فرمایا ہے یہی وہ سوانح عمری ہے جو ایک مرتبہ پنجاب کے دار الخلافہ لاہور سے شائع ہوکر مومنین کے ہاتھ میں پہنچ چکی ہے اور جس نے شیعی دنیا سے کلیتہً خراج تحسین وصول کیا ہے اب ثانی مناسب ترمیم اور ازدیادی مضامین وصحت واقعات کے ساتھ مطبع اثنا عشری دہلی میں طبع ہوئی ہے اور باوجود اعلیٰ درجہ کی کتابت کاغذ کی مسلمہ نفاست اور بے مثل طباعت کے قیمت وہی ۱۲ ؎ ہے جو پہلے تھی اور یہ مالی قربانی صرف اس لئے کیجاتی ہے کہ آپ اپنے ششم امام کے حالات پڑھنے کے لئے گرانیٔ قیمت کا عذر پیش نہ کرسکیں وما علینا الا البلاغ

سیرۃ الفاطمہؑ

شیعی دنیا میں یہ خبر فرحت اثر ایمانی جوش کیساتھ سنی جائیگی کہ بضعۃ الرسول حضرت فاطمہؑ زہرا صلوات اللہ علیہا کی مکمل اور مبسوط سوانح عمری مطبع اثنا عشری دہلی نے نہایت محنت اور جانفشانی سے طبع کراکے شائع کی ہے۔ تاریخی واقعات کو بالاستیعاب مورخانہ اور محققانہ حیثیت سے لکھا گیا ہے اور اسطرح سیرۃ المعصومین کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کرکے قوم کے سامنے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب مستطاب جسطرح مردوں کیلئے سبق آموز ہے اسیطرح عورتوں کی پاکباز زندگی کی معین اور مددگار ثابت ہوگی کون بدنصیب ہوگا جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی امت اور شیعہ علیؑ ہونیکا دعویٰ کرے اور اس بیش بہا تصنیف سے اپنے ایمان کو تازہ اور اپنی روحانی قوتوں میں اضافہ کرنا پسند نکرے قیمت عہ خوش قسمت ہیں وہ افراد جو اس اعلان کے پڑھتے ہی لبیک کی صدا بلند کریں۔ المشتہر سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی مالک مطبع اثنا عشری دہلی

چہاردہ بند کوثر شیرازی

ہفت بند ملا کاشی کے وزن پر چہاردہ بند پروفیسر آغا کوثر شیرازی مرحوم گجرات کالج نے تحریر فرمایا تھا جو بیحد مقبول ہوا قیمت صرف ۳ر

جامع عباسی بست بابی اردو

شیخ بہائی علیہ الرحمہ کی مشہور تالیف فقہ شیعہ کو کو احاطہ کیئے ہوئے اس کا اردو ترجمہ مولوی الشیخ عابد حسین صاحب مرحوم سہارنپوری نے نہایت سلیس زبان میں فرمایا ہے۔ قیمت صرف عہ

علوم القرآن

عالیجناب مولانا مولوی السید محمد ہارون صاحب طاب ثراہ کے دماغ کا نتیجہ جس قدر علوم کا کلام مجید ذکر ہے ان کی اقسام اور ہر ایک علم کی مثال آیات قرآنی سے لاگت کے مقابل میں قیمت کچھ بھی نہیں صرف ۱۲ار

بنیاد اعتقاد

عالیجناب مفتی سید محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے طلبا ر مدارس دینیہ کیلیئے مرتب فرمایا ہی قیمت صرف ۳ر

مرشد الطلاب

مولوی سید ابو الحسن صاحب طاب ثراہ کی تصنیف علوم دینیہ کی تحصیل میں جو ثوابات ہیں ان کی تفصیل اور طلباء کو علم دین کی طرف تشویق وترغیب دلائی گئی ہے قیمت صرف ۳ر

آئینۂ اسلام

ابتدائے اسلام سے لیکر شہادت حضرت امام حسینؑ کے واقعہ ہائلہ تک اردو زبان میں ایک ملخص تاریخ قیمت ۱ر

پنجۂ فولادی

مناظرہ میں آپ نے اکثر کتابیں ملاحظہ فرمائی ہوں گی لیکن اس کتاب کی ہم آپ سے سفارش کرتے ہیں ضرور منگائیے ضخامت ۲۷۲ صفحے قیمت عہ

ام الائمہ فی جواب امہات الامہ

ڈپٹی نذیر احمد صاحب آنجہانی نے اس کتاب کی تالیف سے اسلامی دنیا میں ہلچل مچا دی تھی چونکہ سیدۃ النساء کی معصوم ذات پر حملے کئے تھے اسکا نہایت [illegible]

ملنے کا پتہ سید ہمشاد علی و سید امداد علی تاجران کتب چوک سبزمنڈی لکھنؤ

خم غدیر

جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ متعلق غدیر اور اثبات خلافت حضرت امیر المومنین علیؑ مرتضےٰ احادیث سے قیمت ۰ار

فضائل مرتضوی کلاں

عالی جناب مولانا مولوی مرزا باقر علی صاحب طاب ثراہ کی تالیف ہے جس میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کے اسّی معجزے درج ہیں اس کے علاوہ اور مناقب وفضائل بھی شامل ہیں ضخامت ۲۴۴ صفحہ کاغذ سفید چکنا قیمت عہ

فضائل مرتضوی نظم ونثر

جناب حکیم محمد حسن صاحب المتخلص بہ حاذق میرٹھی کی تالیف۔ روایات کا انتخاب فضیلت امیر المومنین کا ایک چیدہ اور منتخب گلدستہ کہیں نظم کی بہار کہیں نثر کی روانی دیکھنے اور پڑھنے کے قابل جلد منگائیے ورنہ سٹاک میں ختم ہوجائے گی قیمت صرف ۰ار

آیات جلی فی شان مولانا علیؑ

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے فضائل

ومناقب میں چارسو آیات قرآن مجید سے تلاش کی گئی ہیں جن کے متعلق علمائے اہل سنت نے بھی اقرار کیا ہے ضخامت ۵۶۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت دو روپیہ چار آنہ

تعلیم الاطفال

مسائل ضروریہ مثلاً غسل وتیمم ونماز وروزہ کے علاوہ اور بہت سے فقہی مسئلے سلیس اردو میں تاکہ طلبائے مدارس دینیہ آسانی سے یاد کرسکیں قیمت صرف ۲ر

تجہیز الموتےٰ

یہ رسالہ احکام میت پر مشتمل ہے اور موتےٰ کے متعلق کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو اس میں درج نہو ہر شخص کو جسے اپنی موت کا یقین ہے سفر اور حضر میں اپنے پاس رکھنا چاہیے قیمت صرف ۳ر

شمس الضحےٰ

مولوی الشیخ احمد صاحب وکیل دیوبندی نے کتاب انوار الہدےٰ اثبات امامت وصایت امیر المومنین میں لکھی تھی اس کا جواب جہانگیر خاں اکبرآبادی نے اظہار الہدیٰ کے نام سے لکھا اظہار الہدیٰ کا جواب شمس الضحیٰ ہے قیمت